

# اسلامی معاشری نظام نفاذ --- رکاوٹیں --- عملی تجاویز

محمد طاسین

ایک نہایت ہی اہم لیگن ساتھ ہی مشکل ترین مسئلہ جو آج پاکستان چیزے مسلم ممالک کو ہر جگہ درپیش ہے اور اپنے حل کا شدید تقاضا کر رہا ہے وہ یہ کہ ان کے ہاں فی الوقت معاشری قلم و استھصال پر مبنی جو سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ معاشری نظام، قائم اور رائج ہے اس کو کس طرح ختم کیا جائے اور اس کی جگہ اسلام کا عادلانہ معاشری نظام کس طریقے سے عمل میں لایا جائے؟

یہ مسئلہ ایسے مسلمان زمامہ و مصلحین کے لئے سخت ہے جیسی اور شدید پریشانی کا باعث ہنا ہوا ہے جو اپنے نام نہاد اسلامی معاشروں کو حقیق اور صحیح معنوں میں اسلامی معاشرے مہلکے کی اپنے اندر بھی تمنا و ترب پرستی اور بالغین یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک مسئلہ مذکور حل نہیں ہو جاتا کوئی معاشرہ حقیق طور پر اسلامی معاشرہ نہیں بن سکتا لہذا وہ پوری توجہ کے ساتھ اس مسئلہ کا اطمینان بخش حل تجویز اور حللاش کرنے میں سرگردان اور مصروف ہیں، میری یہ تحریر بھی اسی مقصد اور اسی مسئلہ سے متعلق ہے۔

جن وجوہ کی بنا پر مسئلہ مذکور نہایت اہم ہے ان میں سے ایک خاص اور نمایاں وجہ یہ کہ بد صحتی سے آج ہمارے نام نہاد مسلم معاشروں میں بڑی کثرت کے ساتھ جو گونا گون انفرادی اور اجتماعی برائیاں اور طرح طرح کی جو سماجی، معاشرتی، معاشری، سیاسی اور شاخقی خرائیاں اور بد عنوانیاں ہیں غور سے دیکھا جائے تو ان کے اسہاب میں سب بڑا سبب وہ سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ معاشری نظام ہے جو ان معاشروں میں موجود اور ہر ہوئے کار ہے کیونکہ اس نظام کی یہ نظرت اور ذاتی خاصیت ہے کہ وہ افراد معاشرہ کو معاشری طور پر اعلیٰ اور ادنیٰ دو بالکل مختلف طبقوں میں منقسم کرتا اور بھیاکٹ ٹھم کے غیر نظری معاشری عدم توازن کا باعث بنتا ہے۔ ایک طرف بہت تھوڑی تعداد میں گویا پانچ فیصد سے بھی کم ایسے افراد ہوتے ہیں جن کے قبض

میں قوی دولت اور وسائل دولت کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے بڑے قطعات اراضی، عالیشان عمارت، کارخانوں، فیکٹریوں، تجارتی مراکز اور کاروباری اداروں کے مالک کملاتے اور نہایت شان و شوکت، عیش و عشرت اور امیرانہ خانوں پاٹھ سے اعلیٰ معیار کی زندگی گزارتے اور اپنی مالداری و دولتمندی کا فاختراہ انداز سے اطمینان کر کے دوسروں پر اپنی برتری جلتاتے اور رعب جاتے ہیں، اور دوسری طرف پکانوے فیصلہ سے بھی زائد افراد کی محاشی حالت ایسی ہوتی ہے کہ ان کو یا تو سادہ سے سادہ ٹھیک اور معمولی سے معمولی معیار میں باقاعدگی کے ساتھ بنیادی محاشی ضروریات تک میر نہیں ہوتیں نہ چیخت بھر کر دو وقت معمولی کھانا لتا، نہ تن ڈھانپنے کے لئے مناسب لباس، نہ رہنے سننے کے لئے سادہ سا گھر میر ہوتا اور نہ علاج و تعلیم کی کوئی سولت نصیب ہوتی ہے لہذا یہ محاشی لحاظ سے بیشہ بدحال و پیشان رہتے ہیں اور یا پھر اگر ان میں سے کچھ افراد کو بنیادی محاشی ضروریات کسی نہ کسی ٹھیک میں بیشہ میر ہوتی ہیں لیکن ان کی اتنی آمنی ہوتی ہے جس سے روز موکی ضروریات تو کسی طرح پوری ہو جاتی ہیں لیکن کل کے لئے کچھ پچتا پچتا نہیں، گویا ضرورت سے زیادہ رزق و مال کمانے کے راستے ان پر مسدود ہوتے ہیں وہ خواہ کتنی ہی کوشش اور جدوجہد کریں ضرورت سے زیادہ کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔ لہذا ہنگامی اور ناگمانی ضروریات کے وقت ان کو محاشی پیشانی کا ضرور سامنا کرنا پڑتا ہے، دراصل یہ لوگ ہیں جو سمجھتوں، کارخانوں، منڈیوں، بازاروں، دکانوں اور دفتروں میں محنت کرتے اور قوی میشیت کی گاڑی چلاتے ہیں لیکن ان کو ان کی سی و محنت کا پھل بہت کم ہتا ہے۔ اس کا بڑا حصہ زمیندار، کارخانہ دار، ساہبو کار، کمپنیوں کے ڈائیکٹر اور سربراہ ہتھیا لیتے ہیں جو ذرائع پیداوار اور سرائے کے مالک ہوتے ہیں یہ بہر حال یہ حقیقت واقعہ اور عام مشاہدہ ہے کہ سرایہ دارانہ محاشی نظام کے اندر قوی دولت و ثروت چند ہاتھوں میں سستی اور افراد کے درمیان غیر فطری قسم کا محاشی نیسب و فراز نہ صورت میں آتا ہے ایک طرف انتہائی امیر و خوشحال اور دوسری طرف انتہائی غریب و خستہ حال لوگ وجود میں آتے ہیں اور اس غیر فطری محاشی عدم توازن سے معاشرے میں مختلف قسم کی انفراودی اور اجتماعی برائیوں کا ظصور میں آتا ایک قدرتی امر ہے جن سے اسلام اپنے بجونہ صالح معاشرے کو پاک صاف رکھنا چاہتا ہے کیونکہ ان کے ذریعے عام بدمانی و بے چینی پیدا ہوتی اور اجتماعی فلاح و بہبود پر منفی اثر پڑتا ہے۔

غرضیکہ کسی معاشرے کے صحیح معنوں میں اسلامی معاشرے بننے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے اندر ظلم و احتصال پر مبنی جو سرمایہ دارانہ معاشی نظام رائج و موجود ہے وہ ختم اور اس کی جگہ اسلام کا عادلانہ معاشی نظام قائم و رائج ہو لہذا اس سے اس اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو مسئلہ مذکور کو حاصل ہے۔

ایک دوسری وجہ جس سے مسئلہ مذکور کی غیر معمولی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے وہ یہ کہ عمد حاضر کو معاشیات کا عمد بھی کہا جاتا ہے مطلب یہ کہ عمد حاضر میں زندگی کے معاشی مسئلے کی اہمیت اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ گواہ یہ مرکزی اور بنیادی مسئلہ ہے بالی سب سائل اس کے مقابلہ میں ٹانوی حیثیت رکھتے ہیں آج کا انسان سب سے پہلے اپنے معاشی مسئلے کا اطمینان بخش حل چاہتا ہے جتنی وجہ پر اس کو معاشی مسئلے سے ہے اتنی دوسرے کی مسئلے سے نہیں، معاشی مسئلے کی اہمیت اس کے نزدیک اس قدر بڑھ گئی ہے کہ آج کسی نظام حیات کے اچھے بردے اور قابل قبول اور قابل رد ہونے کا معیار یہ بن کر رکھا گیا ہے کہ معاشی مسئلے کا حل وہ کیا پیش کرتا ہے اگر اس کا پیش کردہ حل بہتر اور اطمینان بخش ہے تو وہ نظام حیات قابل قبول ہے خواہ دوسرے پہلوؤں سے اس کے اندر کتنی ہی خامیاں اور برائیاں کیوں نہ پائی جاتی ہوں، اس کے بر عکس جس نظام حیات کا پیش کردہ معاشی لاکھ عمل اچھا اور اطمینان بخش نہیں وہ اچھا اور قابل قبول نہیں بلکہ قابل رد ہے اگرچہ دوسرے پہلوؤں سے اس کے اندر کتنی خوبیاں اور اچھائیاں کیوں نہ موجود ہوں، اور یہ کہ معاشی مسئلے کا سب سے بہتر اور مثالی حل وہ ہو سکتا ہے۔ جس سے معاشرے کے سو فائدہ افراد کو معاشی خوشحالی بھی حاصل ہوتی اور معاشی ترقی کا بھی موقع ملتا ہو۔

اور چونکہ اسلام کے معاشی نظام کے اندر یہ خوبی اور صلاحیت پوری طرح موجود ہے کہ جو معاشرہ اس پر عمل کرے اس کے ہر ہر فرد کو معاشی خوشحالی بھی نصیب ہو سکتی اور معاشی ترقی کا بھی مناسب موقع مل سکتا ہے لہذا عمد حاضر میں اس کو کسی مسلم معاشرے کے اندر عملی طور پر پیش کرنا اور بروئے کار لانا، دنیا میں اسلامی نظام حیات کی مقبولیت اور حقانیت کا بہترین، ذریعہ اور موثر وسیلہ ثابت ہو سکتا ہے، اور چونکہ مسئلہ مذکور کا اس سے کرا تعلق ہے لہذا اس سے بھی اس کی اہمیت پر روشنی پڑتی اور اس کا اہم ہونا ثابت اور واضح ہوتا ہے، مسئلہ مذکور کے اہم ہونے کی کچھ اور وجوہ بھی ہیں لیکن میں بغرض اختصار صرف مذکورہ دو

وجہ کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں جن سے اس کی غیر معمولی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا۔

۔۔۔

مسئلہ نمکور کے مشکل ترین مسئلہ ہونے کی جو وجوہات ہیں ان میں سے پہلی وجہ یہ ہے کہ فی الوقت خطاً ہمارے ملک پاکستان میں جو سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ معاشری نظام قائم و رائج ہے چونکہ طویل عرصہ سے ہے لہذا اس کی جزیں خاصی گھری اور مضبوط ہیں عام لوگوں کے لئے جانا پچانا اور مانوس نظام ہے نیز اس کے ساتھ معاشرے کے جس طبقہ کے معاشرتی، معاشری اور سیاسی مفادات وابستہ ہیں وہ طبقہ اثر و رسمخ اور قوت و اقتدار کے لحاظ سے معاشرے میں اعلیٰ اور متاز حیثیت و مرتبہ رکھتا ہے حکومت اور اس کے مختلف اداروں میں اس طبقہ کی موثر نمائندگی اور اس کی پوزیشن نمایت مخصوص ہے اختیاری امور و محاملات صرف اس طبقہ کی مرضی سے ملے پائے اور چلتے ہیں معاشرے کے باقی افراد اس طبقہ کے ملے کردہ فیصلوں کو مانتے اور ان کی پابندی پر مجبور ہوتے ہیں خواہ مل سے کتنے ہی ناراض و ناخوش کیوں نہ ہوں۔ چونکہ اس طبقہ کی معاشرے میں ہر لحاظ سے جو بالا تر اور متاز حیثیت و مرتبہ ہے وہ موجود معاشری نظام کی وجہ سے ہے لہذا وہ اپنے مختلف مفادات اور اپنی متاز اور بالاتر حیثیت کے عین خاطر ضروری سمجھتا ہے کہ موجودہ معاشری نظام اپنی حالات پر قائم و برقرار رہے اور اس میں کوئی ایسی تبدیلی نہ آئے پائے جس سے اس کے مفادات کو نقصان پہنچتا اور اس کی حیثیت متاثر و معموح ہوتی یا ہو سکتی ہو خواہ وہ تبدیلی دین اسلام کے عین مطابق ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اس طبقہ کے اکثر لوگ دین اسلام سے صرف اس حد تک وہی سمجھی رکھتے اور اس کو مانتے ہیں جس حد تک ان کے مفادات کو نقصان نہ پہنچتا ہو، بہرحال سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کا یہ طبقہ موجود معاشری نظام کو ہر صورت میں قائم رکھنا چاہتا اور ہر طبقہ سے اس کا تحفظ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے، جو لوگ اس نظام کو بدلنے کی بات کرتے ہیں ان کو یہ طبقہ اپنا بدترین دشمن قرار دیتا اور ان کے خلاف تمام ایسے حریبے استعمال کرایا ضروری گردانتا ہے جن سے ان کی زیان بند اور ان کی عملی کوشش اور جدوجہد ختم ہو سکتی ہو، اس سلسلہ میں وہ نزی و سختی اور ترغیب و تربیب دونوں سے کام لیتا اور تبدیلی چاہئے والوں کو ان کی راہ سے بٹانا ہے، معاشری نظام میں تبدیلی چاہئے والے لحاظ تعداد عظیم اکثریت میں ہونے کے باوجود مالی وسائل کی کمی اور باہمی تنظیم کی غیر موجودگی کی وجہ سے کچھ نہیں کر

سکتے اس لئے بھی کہ حکومت وقت مختلف طبقہ کے افراد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ان کے خلاف ہوتی ہے اگر وہ جوش جذبے میں کوئی قدم اٹھاتے ہیں تو انقلامیہ تشدد کے ذریعے ان کو روکتی اور کچل دیتی ہے، اس سلسلہ میں ان کی طرف سے جو پر امن مطالبات کے جاتے ہیں مختلف طریقوں سے ٹال دیتے جاتے اور بلحاظ نتیجہ فضول ٹابت ہوتے ہیں یعنی کوئی مشتبہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا جس سے حالات میں کوئی خشکوار تبدیلی نظر آئے۔

غور فرمائیے کسی معاشرے میں موجود جس معاشی نظام کو داخلی اور اندروںی طور پر معاشرے کے باڑ اور طاقتور افراد کی پر نور حمایت و تائید حاصل ہو وہ اس کو ہر طریقہ سے بحال و برقرار رکھنا چاہتے ہوں اس معاشی نظام کو بدلا کتنا مشکل اور دشوار مسئلہ ہو سکتا ہے اور پھر جبکہ اس نظام کو بیرونی اور خارجی طور پر زبردست حمایت و تائید حاصل ہو یعنی جن غیر مسلم ملکوں اور معاشروں سے اس مسلم معاشرے کے سیاسی اور معاشی روابط و تعلقات ہوں اور وہ سیاسی طور پر ان کے تابع وزیر اثر اور معاشی طور پر ان کا محتاج اور دست مگر بلکہ مقولہ ہو وہ بھی میکا چاہتے ہوں کہ جس طرح ان کے ہاں سرمایہ دارانہ معاشی نظام ہے اسی طرح اس مسلم ملک و معاشرے میں بھی سرمایہ دارانہ معاشی نظام قائم و برقرار رہے اور اس میں کوئی الیکی تبدیلی نہ ہونے پائے جس سے ان کے مفادات کو گزندہ اور نقصان پہنچا ہو تو اسی صورت میں اس معاشی نظام کو تبدیل کرنا بہت ہی زیادہ مشکل اور انتہائی صعب و دشوار ہو جاتا ہے اور چونکہ ہمارے پاکستانی معاشرے کی حالت تقریباً "الیکی ہی" ہے اس میں رائج اور موجودہ سرمایہ دارانہ و جاگیر دارانہ معاشی نظام کو بحال و برقرار رکھنے کے لئے اندروںی و بیرونی قوتوں متفق ہیں، پاکستان کے ہن مغلی ممالک سے معاشی اور اسلامی تعلقات ہیں ان کی پوری خواہش اور کوشش ہے کہ پاکستان میں جو معاشی نظام فی الوقت موجود ہے وہ برقرار رہے لہذا اس کو بدلتے اور ختم کرنے کا مسئلہ اگرچہ بحال و ناممکن نہیں لیکن بے حد مشکل ضرور ہے۔ کوئی حقیقت پسند انسان اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

یہاں یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ کسی ملک و معاشرے میں رائج ہے جائے متحمل نظام کو تبدیل اور ختم کرنے کے اصولی طور پر وہ ہی طریقہ ہو سکتے ہیں ایک تدریجی اصلاح کا طریقہ اور دوسرا فوری انقلاب کا طریقہ، تدریجی اصلاح کے طریقہ کا مطلب ہے کہ کسی فاسد نظام کو پر امن طور پر رفتہ رفتہ بدلتے اور درجہ بدرجہ درست کرنے کی علمی و عملی

کوشش کرنا۔ بالفاظ دیگر تصادم و مکاروں سے بچتے ہوئے بذریعہ ایسی تہذیبیاں عمل میں لانا جن سے فاسد نظام کا فساد دور ہو کر مطلوبہ صلاح وجود میں آجائے۔ تدریجی اصلاح کے اس طریقہ میں ضروری ہوتا ہے کہ کوئی تبدیلی عمل میں لانے سے پہلے اس کے لئے موافق اور سازگار، ذہنی اور خارجی ماحول تیار کرنے کا مطلب یہ کہ کوئی تبدیلی عمل میں لانے سے پہلے واضح دلائل کے ساتھ یہ بتلایا اور سمجھایا جائے کہ یہ تبدیلی کیوں ضروری ہے اور اس کے کیا فائدہ و ثمرات ہوئے، بالفاظ دیگر ذرائع شروع اشاعت سے دلائل کے ساتھ یہ بتلایا اور واضح کیا جائے کہ جس چیز کو بدلا بنا مقصود ہے اس میں کیا برائیاں اور خرابیاں ہیں اور اس کی جگہ جس تبادل چیز کو لا لایا جا رہا ہے اس میں کیا اچھائیاں اور خوبیاں ہیں اور یہ کہ اس سے کیا فائدے حاصل ہونگے دینی و روحانی لحاظ سے اور دنیوی اور مادی لحاظ سے، تاکہ خاص طور پر ان لوگوں کے ذہن اس تبدیلی کو قبول کرنے کے لئے تیار اور ہمارا ہو جائیں جن کو اس تبدیلی سے فوری طور پر نقصان پہنچتا ہو اور ان کی طرف سے مخالف رد عمل کا اندازہ نہ رہے، اور سازگار خارجی ماحول تیار کرنے کا مطلب یہ کہ اس تبدیلی کی راہ میں رکاوٹ بننے والے مادی موانع کو دور کرنا، چونکہ ذہنی اور خارجی ماحول کو ہونے والی تبدیلی کے موافق و سازگار بنانے کا کام طویل وقت کے ساتھ خاصی رانی و جسمانی محنت بھی چاہتا ہے لہذا تدریجی اصلاح کے طریقہ میں کافی دیرگتی اور خاصی محنت کرنی پڑتی ہے، برعکس اس طریقہ سے جو اصلاح وجود میں آتی ہے وہ مستقل اور پائیدار ہوتی نیز یہ طریقہ تصادم اور خون خرابے سے محفوظ ہوتا ہے۔

فوری انقلاب کے طریقہ سے مراد ہے طاقت و قوت کے ذریعے تشدد و بختی کے ساتھ، راجح نظام کے ظاہری ڈھانچے کو اٹ پٹھ اور تہہ و پالا کر دینا اور اس کی جگہ اپنی عرضی کا نظام و ڈھانچہ بزور نافذ کر دینا، فوری انقلاب کے اس طریقہ میں اگرچہ وقت کم لگتا اور جلد مقصد حاصل ہو جاتا ہے لیکن اس میں تصادم اور خون خرابہ ضرور ہوتا اور کافی جانی و مالی نقصان بھی ضرور اٹھانا پڑتا ہے، نیز اس طریقہ سے جو تبدیلی اور اصلاح وجود میں آتی ہے عموماً عارضی و ناپائیدار ہوتی ہے، جب تک اس کی پشت پر طاقت و قوت رہتی ہے وہ قائم رہتی ہے اور جب وہ ڈھملی اور کمزور پڑتی ہے تو شدید رد عمل ظاہر ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں سارے کئے کرائے پر پانی پھر جاتا اور ناکامی و مایوسی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے مطلب یہ کہ

حاصل شدہ کامیابی، ناکامی سے بدل جاتی ہے، اسی طرح اس طریقہ میں بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جب انقلابی جماعت ضروری طاقت حاصل کرنے سے پلے میدان میں کوڈ پڑتی ہے تو مقابلہ میں ٹکست کھاتی اور ذیل و خوار ہو کر ختم ہو جاتی ہے اور حصول مقصد کی منزل تک منجھ ہی نہیں پاتی، تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

اس صحن میں یہ عرض کردنا بھی ضروری ہے کہ اسلام چونکہ امن و سلامتی کا دین ہے اور پیغمبر اسلام حضرت محمد انسانیت کے لئے سرپا رحمت ہیں لہذا اس کے نزدیک معاشرہ انسانی سے ظلم و فساد کو دور کر کے اس کی جگہ عدل و قسط کو قائم کرنے کا صحیح طریقہ تدریجی اصلاح کا طریقہ ہے جو اپنے مزاج کے لحاظ سے امن و سلامتی کا طریقہ ہے اور جس کے ذریعے حاصل شدہ صلاح و درستی، مستقل و پائیدار ہوا کرتی ہے، حضور نبی اکرمؐ کی سیرت طیبہ کے مطابعے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ نے اپنے انتہائی بگڑے ہوئے عرب معاشرہ کی جس طریقہ سے اصلاح فرمائی وہ یہی تدریجی اصلاح کا طریقہ تھا۔ حدیث اور سیرت کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے ہر اصلاحی اقدام سے پہلے اس کے لئے سازگار ذہنی و خارجی فضا تیار فرمائی اور اصلاح کا یہ عظیم کام بذریعہ تقریباً ۲۳ سال کے طویل عرصہ میں مکمل ہوا۔ گویا آپؐ نے اس مقدس کام میں یہیش اس چیز کو ملحوظ و مد نظر رکھا کہ وقت زیادہ لگتا ہے تو لگے، رفاقت دھمی و سست رہتی ہے تو رہے لیکن جو اصلاح عمل میں آئے پائیداری کے ساتھ قائم رہے اور جو قدم آگے بڑھا ہے کسی طرح پیچے نہ ہٹے، نیز اس میں اپنی طرف سے یہیش یہ کوشش رہتی کہ کسی سے تصادم اور جنگ کی نوبت نہ آئے جو تبدیلی بھی ہو پر امن طور پر ہو، واضح رہے کہ بعض مواقع پر کفار و مشرکین سے جو تصادم ہوا اور قتال کی نوبت آئی وہ دفاعی اور جوابی کارروائی کے طور پر تھا اور جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کی راہ میں رکاوٹ بننے والوں کو راہ سے ہٹایا اور جنگ و قتال کی روشن سے ان کو باز رکھا جائے چنانچہ جو لوگ ہتھیار ڈال کر ٹکست تسلیم کر لیتے اور مراحت ختم کر دیتے ان کو چھوڑ دیا جاتا پھر اگر ذمیوں کی حیثیت سے مسلمانوں کے اندر رہتے تو ان کی جان و مال اور آبرو کا تحفظ کیا جاتا ہے جب و اگرہ کے ذریعے ان کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا جاتا، یہ ضمنی بات قدرے طویل ہو گئی۔ اصل بات یہ عرض کر رہا تھا کہ اسلام گے نزدیک اصلاح معاشرے کا صحیح طریقہ تدریجی اصلاح کا طریقہ ہے فوری اور خونی انقلاب کا طریقہ نہیں۔ برکیف اس

حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ پاکستان جسے ملک و معاشرے میں معاشی نظام کو بدلنے کا مسئلہ ہے حد مشکل مسئلہ ہے۔

مسئلہ مذکور کے مشکل ترین ہونے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام کے معاشی نظام کے متعلق علماء اسلام کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے اور یہ اختلاف محض فروعی قسم کا نہیں بلکہ اصولی نوعیت کا ہے، اسی طرح یہ اختلاف اولی اور غیر اولی کی قسم کا نہیں بلکہ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی نوعیت کا ہے ایک یہی اہم معاشی معاملہ بعض علماء کے نزدیک حلال و جائز اور دوسرے بعض کے نزدیک حرام و ناجائز ہے۔ مثلاً "بعض علماء کرام کے نزدیک زینت کی مخفی ملکیت کی تجدید جائز اور دوسرے بعض کے نزدیک بالکل ناجائز ہے۔ بعض علماء مزارعت و بیانی کے معاملہ کو بنیادی طور پر جائز اور دوسرے بعض اس کو بنیادی طور پر ناجائز بتاتے ہیں، بعض علماء قرض پر مشروط ہر زیادہ کو رو اور قطعی حرام کہتے ہیں خواہ وہ قرض نجی ضروریات سے تعلق رکھتا ہو یا تجارتی اور پیدا آور مقاصد سے متعلق ہو، اسی طرح قرض پر وہ مشروط زیادتی خواہ کتنی ہی کم کیوں نہ ہو، جبکہ دوسرے بعض علماء کا کہنا ہے کہ صرف ایسے قرضوں پر مشروط زیادتی رو اور حرام ہے جو ذاتی ضروریات اور نجی استعمال سے تعلق رکھتے ہوں ان قرضوں پر مشروط زیادتی حرام نہیں جو تجارتی مقاصد سے تعلق رکھتی ہوں اور یہ کہ قرض کے اصل مال پر صرف وہ مشروط زیادتی سود اور حرام ہے جو اضافاً "مضاعفہ" ہو وہ زیادتی سود اور حرام نہیں جو معمولی اور ابتدائی درجہ کی ہو یعنی صرف مرکب سود حرام ہے مفرد سود حرام نہیں، بعض علماء کے نزدیک تجارتی نوعیت کے بیہد و انشورنس کی ہر قسم اور ہر مشکل حرام و ناجائز ہے جبکہ دوسرے بعض علماء کے نزدیک یہ سہ و انشورنس کی ہر مشکل حلال و جائز ہے، بعض علماء کے نزدیک جو اسٹاک کمپنیوں کا کاروبار حلال و جائز اور دوسرے بعض علماء کے نزدیک حرام و ناجائز ہے، بعض علماء کے نزدیک غیر حاضر اور غیر موجود اشیاء کی خرید و فروخت بالکل ناجائز اور دوسرے بعض کے نزدیک کچھ شرائط کے ساتھ جائز ہے، بعض علماء کے نزدیک ادھار چیز اس ملن سے زائد پر بیچنا خریدنا جائز ہے جو بازار میں بصورت نقد اس چیز کی ہو جبکہ دوسرے بعض علماء کے نزدیک یہ رو اور حرام ہے۔ گھر دوڑ پر شرط لگاتا بعض علماء کے نزدیک جو اُو تمار اور حرام ہے حالانکہ دوسرے بعض علماء اس کو جائز کہتے ہیں۔ اسی طرح بعض علماء مضاربات کی ایسی مشکل کو جائز کہتے ہیں جس میں رب المال کے اصل مال کو

قرض کے مال کی طرح تحفظ حاصل اور اس پر کچھ نہ کچھ اضافے کی ضرانت ہو، جبکہ دوسرے بعض علماء کے نزدیک مضارہت کی یہ شکل ناجائز اور روک کے حکم میں ہے، بعض علماء حکومتی ٹیکسٹوں کے موجودہ نظام کو غیر اسلامی اور ناجائز بتلاتے جبکہ دوسرے بعض علماء اس کو اسلام کے مطابق اور جائز فرماتے ہیں، زکوٰۃ کے متعلق بھی کئی سائل میں اختلاف ہے بعض علماء اس کو ٹیکسٹ کہتے ہیں اور حالات کے مطابق اس کی شرح میں کسی دینیشی کے قائل ہیں جبکہ دوسرے بعض علماء مختیٰ کے ساتھ اس کا انکار کرتے ہیں کہ زکوٰۃ ٹیکسٹ ہے اور اس کی شرح میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ بعض علماء ملوں اور کارخانوں کی مشینفری اور کرائے پر ڈھائی جانے والی بلڈنگوں و عمارتوں کو مال تجارت اور مال نامی قرار دیتے اور اصل سرمائے پر ڈھائی نیصد زکوٰۃ واجب بتلاتے ہیں جبکہ دوسرے بعض علماء کارخانوں اور عمارتوں کے اصل سرمائے پر نہیں بلکہ ان سے حاصل شدہ منافع اور کرائے پر زکوٰۃ واجب قرار دیتے ہیں، مکانات وغیرہ کی کرایہ داری کے معاملہ میں بھی علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض علماء کے نزدیک کرائے والی چیز کا مالک صرف اتنا کرایہ لے سکتا ہے جتنا کہ استعمال سے کرائے والی چیز کا مالک جتنا چاہے میں کسی واقع ہوتی ہے، اور دوسرے بعض علماء کے نزدیک کرائے والی چیز کا مالک جتنا چاہے کرایہ لے سکتا ہے شرعاً اس پر کوئی پابندی نہیں، اشیائے ضرورت کی قیمتیں مقرر کرنے کا حکومت کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق بھی علماء کے ماہین اختلاف ہے بعض تسعیر یعنی حکومت کی طرف سے نزع مقرر کرنے کو جائز اور بعض ناجائز فرماتے ہیں۔

ذکور امور معاملات کے علاوہ محاشیات کے بعض اصولی تصورات اور بنیادی نظریات کے بارے میں بھی علماء کے درمیان اختلاف ہے ٹھاٹا " یہ کہ محنت کی طرح سرمایہ بھی عالم پیدائش دولت ہے یا نہیں؟ بعض علماء محنت کی طرح سرمائی کو بھی پیدائش دولت کا حقیق سبب مانتے اور دوسرے بعض اس کا انکار کرتے ہیں، بالفاظ دیگر بعض علماء اسلام کی رو سے اس تصور اور نظریے کو صحیح مانتے ہیں کہ دولت صرف انسان کی دنیوی جسمانی محنت و مشقت سے پیدا ہوتی ہے کسی سرمائے سے پیدا نہیں ہوتی جبکہ دوسرے بعض علماء از روزے اسلام کہتے ہیں کہ محنت کی طرح سرمایہ بھی دولت کو پیدا کرتا ہے۔ ایک اور اصولی تصور اور نظریہ سپس ولیم اور قدر زائد کا تصور و نظریہ ہے بعض علماء کے نزدیک اسلام کے حوالے سے یہ تصور و نظریہ صحیح درست ہے اور دوسرے بعض کے نزدیک غلط و باطل ہے قدر زائد جس کو

عمل میں فائض التیم کہا جاتا ہے معاشریات کی ایک اصطلاح ہے جس کا خاص مفہوم و مطلب ہے۔ بہرحال یہاں عرض کرنا یہ مقصود ہے کہ کتنے ہی بنیادی نوعیت کے معاشری نظریات اور اقتصادی امور و معاملات ہیں جن کے متعلق اسلام کے حوالے سے علماء کرام کے مابین شدید اختلاف ہے اور پھر ہر عالم پور نور و شور کے ساتھ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی رائے صحیح اور اسلامی اور دوسرے کی غلط و غیر اسلامی ہے الی صورت حال میں بتائیے کہ کوئی کیا سمجھے کہ اسلام کا معاشری نظام کیا ہے اور وہ دنیا کے دوسرے معاشری نظاموں سے کیسے مختلف اور کیسے بہتر ہے؟

ہماریں صاف ظاہر ہے کہ جب تک جید علماء کرام کے اتفاق سے قرآن و حدیث کے مطابق اسلام کا معاشری نظام متعین نہ ہو جائے اس وقت تک مسئلہ مذکور حل نہیں ہو سکتا، اسی طرح یہ بھی ظاہر ہے کہ علماء کرام کے مابین اسلام کے معاشری نظام کے متعلق جو اختلاف آراء ہے اس کا دور ہونا اگرچہ ناممکن اور محال نہیں لیکن بے حد مشکل و دشوار ضرور ہے۔ بہرحال اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اسلام کے معاشری نظام کے متعلق علماء اسلام کے مذکورہ اختلافات کی موجودگی میں ان نیک دل حضرات کی یہ تمنا و آرزو کبھی پوری نہیں ہو سکتی کہ ہمارے اسلامی جمورویہ پاکستان کے اندر موجود اتحادی سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام کی جگہ اسلام کا عادلانہ معاشری نظام عمل میں آئے اور اس کی برکات کا ظہور ہو۔

مسئلہ مذکور کے مشکل ہونے کی تیری وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام کے معاشری نظام کے نافذ ہونے اور عمل میں آنے کے لئے جس طرح کا ذہنی اور خارجی ماحول موجود ہونا ضروری اور شرط مقدم ہے بد قسمتی سے موجودہ نام نہاد مسلم معاشروں میں موجود نہیں پاکستان میں تو پالیٹین موجود نہیں، اس احتلال کی کچھ تفصیل یہ کہ اسلام کے جو معاشری اصول و احکامات ہیں ان کا اسلام کے ایمانی عقائد اور عبادات سے نہایت گرا تعلق ہے وہ اس طرح کہ ان اصول و احکامات پر عمل کرنے کے لئے افراد معاشرہ کے ذہنوں میں عدل و احسان کے جن وسیع و ہمہ کیف اخلاقی احساسات کا موجود ہونا ضروری ہے۔ وہ ایمانی عقائد کے ذریعے وجود میں آتے اور اسلامی عبادات کے ذریعے زندہ و بیدار رہتے ہیں۔ یہاں یہ واضح رہے کہ یوں تو ہر انسان کے اندر پیدائشی طور پر عدل و احسان کا جذبہ و احساس موجود ہوتا ہے لیکن یہ مطلق اور مجرد ہوتا ہے بعد میں اس کے دائرہ کے اندر جو تنگی و کشاوگی ہوتی ہے وہ اس شعور کے مطابق ہوتی

ہے جو تعلیم و تربیت وغیرہ سے انسانی ذہن میں ابھرتا ہے شور پست و محدود ہوتا ہے تو جذبہ عدل و احسان بھی پست و محدود ہوتا اور شور بلند اور وسیع ہوتا ہے تو جذبہ عدل و احسان بھی بلند اور وسیع ہوتا ہے چنانچہ بعض افراد کا جذبہ عدل و احسان صرف اپنے خاندان و کنہی کے افراد کے حد تک محدود ہوتا ہے لہذا ان کے ساتھ تو ان کا برتابہ عدل و احسان کا ہوتا ہے لیکن ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے ساتھ ان کا سلوک عدل و احسان کا نہیں ہوتا ہے، اسی طرح بعض افراد کے شور اور جذبہ عدل و احسان کا دائرہ اپنے قبیلے اور اپنی قوم و ملت کے افراد تک وسیع ہوتا ہے لہذا وہ عملی طور پر ان لوگوں سے تو عدل و احسان کا برتابہ کرتے ہیں جو اس کے قبیلے اور ان کی قوم و ملت سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کے سوا باقی لوگوں سے اس کا برتابہ عدل و احسان کے مطابق نہیں ہوتا بلکہ بعض وفہ اس کے خلاف ہوتا ہے، بہر حال یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کا ہم ہر سطح پر برابر مشاہدہ کرتے اور اس کے ان نتائج و عواقب کو بھی دیکھتے اور جانتے ہیں جو عدل و احسان کے محدود جذبے اور برتابہ کی وجہ سے انسانوں کے مابین باہمی عداوت و نفرت اور نزاع و تصادم کی حلول میں سامنے آتے ہیں۔

اسلام چونکہ پوری انسانیت کا دین ہے وہ ایک ایسے عالمگیر انسانی معاشرے کا قیام ہاتھا ہے جو عدل و قسط پر قائم ہو اور جس کا ہر فرد بلا کسی تخصیص و امتیاز دوسرے ہر فرد کے ساتھ عدل و قسط کا برتابہ کرتا یعنی جس میں ہر انسانی بلا تخصیص زنگ و نسل، بلا امتیاز قوم و دین، بلا تفریق قبیلہ و خاندان اور بلا استثناء دین و مذہب ہر دوسرے انسان کا ہر حق ٹھیک ٹھیک اور پورا پورا ادا کرتا ہو بلکہ بعض حالات میں اپنے حق کا دوسروں کے لئے ایسا بھی کرتا ہو لہذا ضروری تھا کہ ایسے معاشرے کے افراد کے اندر عدل و احسان کا جو اخلاقی جذبہ ہو اس کا دائرہ پوری انسانیت تک وسیع اور عالمگیر ہو، اور پھر چونکہ عدل و احسان کا ایسا وسیع اور بھر کیر جذبہ صرف اس ایک اللہ تعالیٰ کے اعتقاد و یقین اور اس پر ایمان سے ہی انسان کے اندر پیدا ہو سکتا تھا جس کی صفات میں سے ایک صفت رب العالمین، رب الناس ہے یعنی اقوام عالم اور تمام انسانوں کو پالنے، پوئنے، نشوونما دینے اور درجہ کمال تک پہنچانے والا، سب کی پوریش اور دیکھ بھال کرنے والا اور دوسری صفت رحمان و رحیم ہے جس کا مطلب ہے عالمگیر اور وائی رحمت والا اور جس کی رحمت و مروانی ہر شے پر چھائی ہوئی ہے اور کوئی چیز اس سے محروم نہیں، یعنی اپنی رحمت سے سب کو نوازنے والا، لہذا اسلام نے انسان کو سب سے پہلے

جو تعلیم دی وہ اللہ رب العالمین، رحمان و رحیم اور مالک یوم الدین پر ایمان لانے اور اعتقاد و یقین رکھنے کی تعلیم ہے۔ قرآن مجید کی پہلی سورت جس کا نام سورۃ الفاتحہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی مذکورہ صفات کا ذکر ہے اور پھر سورۃ الفاتحہ کے پڑھنے کو نماز کی ہر رکعت میں لازم و واجب قرار دے کر اس کا اہتمام کیا گیا ہے کہ بندہ موسمن کے ذہن اور دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کی مذکورہ صفات کی یاد بیشہ زندہ و بیدار رہے کیونکہ اللہ کی ان صفات کا اعتقاد و شعور بندہ موسمن کے جذبہ و احسان کو عالمگیر و سخت دیتا اور اس کو اس پر آمادہ کرتا ہے کہ تمام فلق خدا کے ساتھ حسن سلوک کرے اور سب انسانوں کے ساتھ عدل و احسان سے پیش آئے اور پھر چونکہ اللہ کی عبادت ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے بندہ موسمن کے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کی صفات اور ان صفات سے حاصل شدہ اخلاقی احسانات و جذبات زندہ بیدار اور تازہ رہتے ہیں۔ لہذا اسلام قبول کرنے والوں کو ایمانی عقائد کے بعد جو دوسری تعلیم دی گئی وہ صلوٰۃ و زکوٰۃ کی عبادت کی تعلیم تھی بعد میں صوم اور حج وغیرہ کی بھی تعلیم دی گئی۔ اس کے بعد تدریج کے ساتھ زندگی کے مختلف شعبوں یعنی معاشرتی، معاشی اور سیاسی پسلوؤں سے متعلق ایجادی و انتہائی احکام اور امر و نواہی کی متعلق میں دیئے گئے اور جن قرآنی آیات میں دیئے گئے ان کے شروع میں یا ایها الذین امنو سے خطاب کیا گیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عملی احکام ان لوگوں سے متعلق ہیں جو مشرف پر ایمان ہو چکے ہیں ان سے متعلق نہیں جن کے دل نور ایمان سے خالی اور محروم ہیں کیونکہ ایسے لوگ اسلام کے عملی احکامات پر دفعی کے ساتھ عمل کریں نہیں سکتے اور اگر کر لیں تو ان پر وہ اثرات و فوائد مرتب نہیں ہوتے جو ایک بندہ موسمن کے عمل پر مرتب ہوتے ہیں جو خالصۃ "اللہ کی رضا کی خاطر اور اس کی اطاعت کے جذبہ سے کرتا ہے۔

غرضیکہ عدل و احسان پر جن اسلام کی جو معاشی تعلیمات ہیں وہ صرف ایک ایسے معاشرے میں صحیح طور پر بروئے کار آسکتی اور پائیاری کے ساتھ قائم رہ سکتی ہیں جس کی بڑی اکثریت کے ذہن میں ایمانی عقائد یعنی اللہ کی ذات و صفات کا عقیدہ، آخرت کی زندگی اور جزا و سزا کا عقیدہ، اللہ کے فرشتوں، کتابوں اور رسولوں کا عقیدہ یعنی دھی و رسالت کا عقیدہ بالخصوص قرآن مجید کے کتاب اللہ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول اللہ ہونے کا عقیدہ موجود اور راست ہو۔ لفظی طور پر نہیں بلکہ معنوی اور حقیقی طور پر موجود ہو اور عملی

زندگی سے اس کی شادوت فراہم ہوتی ہو، نیز اس معاشرے کی عظیم اکثریت فرض عبادات کی عمل پابند و خونگر ہو کیونکہ دراصل ایسے ہی لوگوں کے اندر عدل و احسان کے وہ وسیع اور ہم کیروں جذبات و احساسات ہو سکتے ہیں جن کی تحریک سے انسان عدل و احسان والی اسلامی معاشریتیں پر بلا کسی تخصیص و انتیاز عمل کر سکتا ہے۔

اس پلے سے جب ہم حقیقت پسندی کے ساتھ اپنے موجودہ نام نہادی اسلامی معاشروں و ملکوں کا بے لارگ جائزہ لیتے ہیں بہشول پاکستان کے تو بیجد مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ زبانی اور لفظی طور پر تو ایمان ہمارے ہاں بہت زیادہ موجود ہے لیکن قلبی، حقیقی اور معنوی طور پر ایمان آئنے میں نہ کے برابر بھی نہیں۔ چنانچہ اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اسلام کا پرچار کرنے اور اس کے نفاذ کا مطالبہ کرنے والے عملی طور پر تضاد کا شکار ہیں۔ دوسروں کا تو ذکر ہی کیا وہ تو نہ ہے ہی اسلام اور قرآن و حدیث سے جالل اور دنیاوار۔

اسلامی معاشری نظام کے صحیح اور کامل طور پر عمل میں آنے کے لئے مذکورہ ذہنی ماحول کے ساتھ جس خارجی ماحول کا معاشرے میں موجود ہونا ضروری ہے اس میں اہم اور بنیادی چیزوں معاشرے کا بنیادی معاشری ضروریات کے لحاظ سے خود کفیل ہونا ہے کیونکہ جو معاشرہ بنیادی ضروریات کے لحاظ سے خود کفیل اور اپنے قدموں پر کھڑا نہ ہو وہ بجبور ہوتا ہے کہ بنیادی معاشری ضروریات مثلاً ”غلہ کپڑا“ وغیرہ دوسروں سے ان کی مرضی اور ان کے معاشری اصولوں کے مطابق حاصل کرے اور زندگی گزارے۔ جہاں تک آسانیات اور ہیئتات کی چیزوں کا تعلق ہے ان میں خود کفیل ہونا ضروری نہیں کیونکہ زندگی ان کے بغیر بھی گزر سکتی ہے۔ برکیف ایک مسلم معاشرے کے لئے یہ لازمی و ضروری ہے کہ وہ بنیاد معاشری ضروریات سے تعلق رکھنے والی چیزوں کی پیداوار اس حد تک بوجھائے کہ وہ اس کی ضرورت کے لئے کافی ہوں اور اس کے لئے دوسری قوموں کے تجربات اور نئے سے نئے ذرائع پیداوار سے فائدہ اخْلایا جاسکتا ہے۔ اسلام اس پر کوئی پابندی نہیں لگاتا بلکہ اس کی ترغیب دیتا ہے۔

اوپر تیری مشکل کے متعلق جو عرض کیا گیا اس سے بجا طور پر یہ مطلب نکلتا ہے کہ جس نام نہاد اسلامی معاشرے میں مذکورہ ذہنی اور خارجی ماحول اور فضا موجود نہ ہو ایسے معاشرے میں اسلامی معاشری نظام کے فوری نفاذ کی کوششیں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتیں نہ کوئی حکومت اس کے فوری نفاذ میں کامیاب ہو سکتی ہے اور نہ کوئی اسلامی سیاسی جماعت جو بھی اس

تم کی بات کرتا ہے اس کے متعلق یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ بے سوچے سمجھے یا دوسروں کو دھوکا دینے کے لئے اور اپنا الو سیدھا کرنے کی خاطر ایسی بات کرتا ہے۔

یہاں ایک یہ بات عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جو لوگ یہ سمجھتے اور کہتے ہیں کہ پاکستان میں فی الوقت جو سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ معاشری نظام موجود ہے اگر اس میں ایک چیز کی کی کر دی اور دوسری چیز کا اضافہ کر دیا جائے تو پھر یہی نظام اسلامی نظام بن جائے گا۔ ایک چیز کی کی سے ان کی مراد بیکوں کا سود، اور دوسری چیز کے اضافہ سے ان کی مراد زکوٰۃ و عشر کا اضافہ ہے، گویا موجودہ نظام میں بیکوں کا سود ختم ہو جائے اور لوگ خود سے یا حکومت کے توسط سے زکوٰۃ و عشر ادا کرنے لگیں تو موجودہ معاشری نظام، اسلامی معاشری نظام بن گیا اب مزید کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، گویا ان حضرات کے نزدیک مزارعہ و مٹائی پر ممی موجودہ زمینداری زری نظام بھی عین اسلامی ہے۔ سپس ولبیو اور قدر زائد کے وجود پر ممی موجودہ کارخانہ داری صنعتی نظام بھی قطعاً اسلامی ہے، مکانات وغیرہ کی کراچی داری کا کاروبار بھی بغیر کسی تحفید و تنقید کے اسلام کے مطابق اور عین اسلامی ہے۔ درآمدی برآمدی تجارت کا راجح نظام بھی جس میں غیر حاضر اور غیر موجود اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی اور بیکوں اور انہوں نے کپنیوں کے توسط سے چلتا ہے بالکل اسلامی ہے۔ اشاك ایکس چینج میں کپنیوں کے کامندی شہرزاد و حص کی جو خرید و فروخت ہوتی اور سہ پازی کے ذریعے قیمتیں کو جو پڑھایا گھٹایا جاتا ہے ان حضرات کے نزدیک یہ بھی صحیح اسلامی ہے۔ جو انہی اشاك کپنیوں کا مروجہ کاروبار بھی بالکل اسلامی ہے۔ حکومت کی طرف سے جاری کردہ مختلف سریکیت اور باہر زجن میں ادا کی گئی رقم پر مدت کے حوالا سے معین اضافہ مقرر ہوتا ہے کا لینا دینا بھی اسلام کے عین مطابق ہے وغیرہ وغیرہ۔

اسلام کے معاشری نظام کے متعلق جن اہل علم حضرات کا مذکورہ خیال ہے ان کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ ان کو اسلام کے دوسرے پہلوؤں سے متعلق یقیناً بہت کچھ پڑھنے اور سوچنے سمجھنے کا موقع ملا ہوگا لیکن معاشری پہلو سے متعلق قرآن و حدیث کی روشنی میں ان کو بہت ہی کم کچھ پڑھنے اور سوچنے سمجھنے کا موقع ملا ہے ورنہ وہ کبھی اسلام کے معاشری نظام کے متعلق ایسی بات نہ کہتے جو اپر نقل کی گئی۔ ان حضرات نے قرآن و حدیث میں یہ تو ضرور پڑھا کر رو انہیں یعنی قرضاوں والا سود جس کا موجودہ بیکوں میں لین دین ہوتا ہے

تھا" حرام و منوع ہے۔ لیکن اس پر غور نہ فرمایا کہ اس کے حرام و منوع کی اصل اور حقیقی وجہ کیا ہے اس میں وہ کوئی برائی ہے جس کی وجہ سے شارع نے اس کو حرام و منوع نہ فرمایا ہے۔ اگر وہ اس پر غور فراتے اور اس میں وہ حضرات مفسرین کرام کی ان عبارات و تصریحات کو بھی دیکھتے اور ان سے فائدہ اٹھاتے جو انہوں نے اپنی تفاسیر کے اندر رہو کی حقیقت اور اس کے حرام ہونے کی علم سے متعلق تحریر فرمائی ہیں اور پھر اس کی روشنی میں موجودہ معاشری نظام کے ان پللوؤں کا گرا اور تحقیقی جائزہ لیتے جو اور پر ذکر کئے گئے تو وہ یقیناً اس نتیجہ تک پہنچتے کہ ان پللوؤں میں بھی وہ برائی پوری طرح موجود ہے جس کی وجہ سے بیکوئں والا سود حرام و منوع ہے۔ لہذا وہ کبھی یہ نہ کہتے کہ معاشری نظام کے یہ پللوں اسلام کے مطابق ہیں ان میں کسی نیادی تہذیبی کی ضرورت نہیں۔

یہاں ایک یہ بات بھی عرض کر دیا ضروری سمجھتا ہوں کہ جس ملک و معاشرے کا معاشری نظام سرمایہ دارانہ ہو جو اپنے بعض بنیادی اصولوں کی بنا پر سود کو "قانوناً" جائز قرار دیتا ہے اس میں کبھی یہ بحث نہیں کی جاتی کہ نفس سود جائز ہے یا ناجائز یا یہ کہ اس کی کوئی قسم جائز ہے اور کوئی قسم ناجائز، اس میں سود کے متعلق اگر کبھی کوئی بحث کی جاتی ہے تو وہ اس کی شرح سے متعلق ہوتی ہے کہ کتنے حالات میں شرح سود کتنی ہوئی اور کتنی نہ ہوئی ہے۔ بہرحال چونکہ نظام سرمایہ داری میں سود کوئی بری چیز نہیں لہذا اس کے تمام اداروں میں سود کا غصہ کم و بیش ضرور موجود ہوتا ہے بینکاری کا ادارہ ہو یا بیسہ کاری کا ادارہ، درآمدی برآمدی تجارت کا ادارہ ہو یا کارخانہ داری کا ادارہ، جو اکٹھ اشک کمپنیوں کا ادارہ ہو یا اجراء کے اور کرایہ داری کا ادارہ۔ گویا نظام سرمایہ داری کے چھوٹے بڑے سب اداروں میں سود اس طرح جاری و ساری ہوتا ہے جس طرح ایک زندہ جسم کے جملہ اعضاء میں خون جاری و ساری ہوتا ہے۔ ہنابریں نظام سرمایہ داری کو بھیشت ایک کل کے قائم رکھتے ہوئے اس کے کسی ایک جزو "بینکاری کے ادارہ کو سود سے پاک کرنے کی کوشش کرنا، ایک بالکل ناکام اور لا حاصل کوشش ہوتی ہے کیونکہ جزو کا مزاج بیش کل کے مزاج کے تابع رہتا ہے۔ چنانچہ اس کا نمایاں ثبوت یہ کہ مردوم جzel ضیاء الحق کے دور میں بیکوئں کے ادارہ کو سود سے پاک کرنے اور اسلامی بنا نے کے لئے ماہرین اقتصادیات کا ایک بیش تکمیل دیا گیا جس میں اسلامی نظریاتی کوئی کے بھی بعض ارکان شریک تھے اس بیش نے طویل محنت و کاؤش کے بعد ایک کافی

منفصل رپورٹ پیش کی جس کا عنوان تھا ”بلا سود بینکاری“ اور پھر اس کو شائع بھی کیا گیا اس رپورٹ میں یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ بینکاری کی جو موجودہ فعل ہے وہ قطعی طور پر سودی اور غیر اسلامی ہے اس کو اسلامی اور غیر سودی بنانے کے لئے تباول کے طور پر متعدد تجویز پیش کی گئیں اور کہا گیا کہ ان تجویز میں پیش کردہ معاملات کی بنیاد پر بینکاری کی جائے تو وہ غیر سودی بھی ہو گی اور اسلامی بھی لیکن اسی پہل کے ایک رکن نے جن کو ماہر اقتصادیات کی مسلمہ حیثیت سے اس میں شریک کیا گیا تھا کیونکہ انہوں نے زندگی کا بڑا حصہ سود کی تحقیق و رسروچ میں صرف کیا تھا جیسا کہ ان کی سود کے موضوع پر شائع شدہ کتابوں اور تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے اس رکن سے میری مراد پروفیسر شیخ محمود احمد ہیں جن کا کچھ ہی عرصہ پسلے لاہور میں انتقال ہوا، پہل کی رپورٹ کے متعلق انہوں نے اپنے اختلافی نوٹ میں لکھا کہ رپورٹ میں سود کے تباول جتنے معاملات پیش کئے گئے ہیں وہ اپنی حقیقت، غرض اور معروضی نتائج کے لحاظ سے سود کے مترادف ہیں لہذا غیر اسلامی ہیں علاوہ ازیں اس رپورٹ میں سود کے تباول تجویز کردہ معاملات میں ایک معاملہ ”نفع و نقصان میں شراکت“ کے نام سے بھی پیش کیا گیا اور اس کا نفاذ بھی عمل میں آیا، متعدد علماء کرام نے اس کے غیر سودی ہونے کی تردید کی اور دلائل کے ساتھ بتایا کہ یہ بھی اپنی حقیقت، غرض و غایت اور اپنے معروضی اثرات و نتائج کے لحاظ سے سودی معاملہ ہے اس پر میرا بھی ایک مضمون متعدد ہائماں اور ہفت روزوں میں کثرت کے ساتھ شائع ہوا اور علماء کرام کی نظر سے گزرا اور کسی نے اس کے خلاف کچھ نہیں لکھا۔

مقصد عرض کرنے کا یہ ہے کہ جس ملک و معاشرے میں بنیادی طور پر سرمایہ دارانِ معاشی نظام رائج ہو چونکہ اس کے اندر سرمایہ کاری کی ایسی بکھرت شکلیں موجود اور قانوناً جائز ہوتی ہیں جن میں ایک فریق دوسرے کو کاروبار وغیرہ کے لئے سرمایہ اس شرط پر دیتا ہے کہ اس کا سرمایہ قرض کی طرح محفوظ رہے گا اور وقت کے لحاظ سے اس میں کچھ نہ کچھ اضافہ بھی ضرور ہو گا لہذا اس کے اندر بینک کا ادارہ بھی صرف اسی طریقہ سے کام کر سکتا ہے لیکن وہ دوسروں سے جو مال لے اس کی حیثیت واجب الاداء قرض کی اور مدت کے لحاظ سے اس پر اضافہ بھی ضرور ہو، اسی طرح بینک جن لوگوں کو کاروبار وغیرہ کے لئے مال دے اس کی حیثیت بھی واجب الاداء قرض کی اور اس پر اضافہ ضروری ہو، مالی لین دین کا یہ طریقہ

سودی طریقہ کلتا ہے۔ بینک اس طریقہ کے سوا دوسرے کسی ایسے طریقہ سے اپنا کاروبار جاری نہیں رکھ سکتا جس میں مال والے فرق کے لئے کچھ اضافہ کے ساتھ اصل مال کی واپسی کی ضمانت نہ ہو، ”ٹلہ“ مضاربہ کا طریقہ کہ اس میں اضافہ تو درکنار اصل مال کی واپسی کی بھی ضمانت نہیں دی جاسکتی کیونکہ اس میں مال والے فرق کام کرنے والے فرق کے پاس جو مال ہوتا ہے واجب الادا قرض کے طور پر نہیں ہوتا بلکہ امانت کے طور پر ہوتا ہے امانت والے مال کا شرعی حکم یہ ہے کہ وہ اگر کسی ارضی سماوی آفت سے ضائع ہو جائے تو اس کا نقصان امانت والے صاحب مال کو برداشت کرنا پڑتا ہے جب کہ قرض کا مال ضائع ہو جانے کی شکل میں بھی مفروض کو ضرور ادا کرنا پڑتا ہے قرض خواہ کسی نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ لہذا سرمایہ دارانہ معاشی نظام میں بینک کا ادارہ مضاربہ کی بنیاد پر نہیں چل سکتا مطلب یہ کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام کے اندر بینک کے ادارہ کو غیر سودی طریقوں سے چلایا جا سکتا ہے وہ مغالطہ کا شکار ہیں اور دھوکے میں جلا، اسلامی بینکاری کے لئے یار لوگوں نے مختلف ناموں سے اب تک چتنے طریقے تجویز کئے ہیں وہ سب معنوی لحاظ سے سودی طریقے ہیں وہ برائی جو قرض والے سود میں پائی جاتی ہے وہ پوری طرح ان معاشی معاملات میں بھی پائی جاتی ہے جو بینکاری کے لئے مقابل طور پر تجویز کئے گئے ہیں، ان مقابل طریقوں سے بینکاری کے معروضی اثرات و نتائج سو فیصد دیے ہی ظاہر ہونا لازمی ہے جو موجودہ سودی بینکاری کے آج ہمارے سامنے ہیں، مجھے اندیشہ ان کا ہے کہ جو لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ اسلام کے نام پر جو نیا بینکاری نظام بنایا گیا ہے معروضی نتائج و اثرات کے لحاظ سے اس میں اور سابقہ غیر اسلامی بینکاری نظام میں کوئی خاص فرق نہیں جو غنی و مالدار لوگ سابقہ سودی بینکاری والے نظام سے جس طرح فائدے اخہار ہے تھے وہی لوگ اسی طرح سے اس نے بینکاری نظام سے بھی فائدہ اخہار ہے ہیں اب بھی دولت کی گردش انہیں لوگوں کے درمیان محدود ہے جن کے درمیان سابقہ نظام بینکاری میں محدود تھی، عام آدمی کو جو اپنی ذمہ معاشی حالت کی وجہ سے نہ بینک کو پیسہ دے سکتا اور نہ اس سے قرض لے سکتا ہے نہ سابقہ نظام بینکاری سے کوئی فائدہ پہنچتا تھا اور نہ اس نے نظام بینکاری میں جو اسلام کے نام پر قائم کیا گیا ہے اس کو کوئی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے تو گویا معاشرے کی پچانوے فیصد آبادی کو بینکاری کے اس نظام کو لفظی تبدیلی سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور اس غیر فطری معاشی

عدم توازن میں ذرہ براہ کی نہیں ہوتی جو معاشرے میں پایا جاتا ہے تو اس صورت حال کو دیکھ کر لوگوں کے اندر یہ خیال پیدا ہونا قدرتی ہے کہ اسلام کے معاشری نظام کے متعلق علماء کے دعوے غلط تھے جو وہ عام مسلمانوں کے سامنے کرتے رہے کہ اس میں نہ کوئی غریب رہتا ہے اور نہ امیر بلکہ سب تقریباً "براہ ہو جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ بلکہ کچھ کمزور ایمان کے لوگ خود اسلام سے ہی بدگمان اور تنفر ہو جائیں یہ بھی بجید از عقل نہیں" رہے مخالفین اسلام تو ان کو تو ایسی صورت میں اسلام کے خلاف زہر اگلنے اور پروپیگنڈہ کرنے کا خوب موقع طے گا، بہر حال ایسی صورت میں اسلام کی نیک نیکی کو جو نقصان پہنچے گا اس کے تمام تر ذمہ دار اور قصور وار اسلام کے وہ نادان دوست ہو گئے جو بغیر سوچے سمجھے بے اختیاطی کے ساتھ اسلام کے معاشری نظام کی غلط ترجیحی کر رہے ہیں اللہ ان کو حقیقت حال کے صحیح طور پر سمجھنے کی توفیق بخشد!

منی لیکن نہایت ضروری بحث کے بعد اب میں اپنے اصل موضوع کی طرف آتا ہوں، میں سمجھتا ہوں گزشتہ صفحات میں جو کچھ لکھا گیا اس سے مسئلہ زیر بحث کی غیر معمولی اہمیت کی وضاحت کے ساتھ ان وجوہ کی بھی نقاب کشائی ہو گئی ہے جن کے سبب یہ مسئلہ ایک نہایت مشکل اور پیچیدہ مسئلہ بھی ہے۔

اب میں کچھ اس طریق کار کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جس کا اختیار کرنا میرے نزدیک اس مسئلہ کے حل کے لئے ضروری ہے۔ طریق کار کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جہاں تک دل خواہش و آرزو کا تعلق ہے دوسرے بہت سے مسلمانوں کی طرح میری آرزو بھی یہی ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہو ہمارے ملک پاکستان اور پاکستانی معاشرے سے موجودہ احتصال فلامانہ معاشری نظام ختم اور اسکی جگہ اسلام کا عادلانہ معاشری نظام قائم ہو، لیکن اس عالم اسہاب میں مخف خواہشوں اور تمباووں سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا بلکہ صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ ضروری اسہاب میا ہو جائیں جو قادری طور پر اس کے لئے مقرر ہیں ٹھہ۔ ایک بھوکے پیاسے انسان کی بھوک پیاس مخف کھانے اور پانی کی خواہش و آرزو سے دور نہیں ہوتی بلکہ اس وقت دور ہوتی ہے جب کھانا اور پانی حاصل کر کے کھایا اور پیا جاتا ہے اسلام چونکہ اسی اللہ رب العالمین کا پڑا یت کردہ دین ہے جس نے عالم اسہاب کو پیدا فرمایا ہے لہذا اسلام کی مسلمانوں کے لئے یہ تعلیم اور

ہدایت ہے کہ وہ ہر مقصود حاصل کرنے سے پہلے وہ اساب و دسائل میا کرنے کی پوری کوشش کریں اور نتیجہ کے لئے اللہ تعالیٰ سبب الاسباب پر بھروسہ اور توکل کریں۔ مطلب یہ کہ توکل ترک اساب کا نام نہیں بلکہ ضروری اساب میا کرنے کے بعد نتیجہ کے لئے اللہ تعالیٰ پر اختداد بھروسے کا نام توکل ہے جس کی اسلام میں تعلیم ہے اور جو پیغمبر اسلامؐ کی سنت سے ظاہر ہے آپؐ نے یہی شہ ہر مقصود سے پہلے اس کے لئے ضروری اساب فراہم کرنے کی کوشش فرمائی اور کامیابی کے لئے اللہ سے دعا کی محض دعا پر بھروسہ نہیں فرمایا، لہذا اتباع سنت نبوی کے تحت ہم مسلمانوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ ہر نیک مقصود کو حاصل کرنے سے پہلے ان اساب کو معلوم کریں جن پر اس مقصود کے حصول کا دارودار ہے اور پھر ان اساب کو میا کرنے کی ہر ممکن سعی و کوشش کریں اور کامیابی کے لئے نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں جو مسبب الاسباب ہے اور جس کے ساتھ میں کامیابی کا پورا اختیار ہے۔

بہریف حاشرے میں معاشی نظام کی تبدیلی کا جو مقصود ہے وہ محض آرزو اور خواہش سے حاصل نہیں ہو سکتا اس کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ اس کا طریق کار اور طرز عمل کو معلوم اور اختیار کیا جائے جو اس عالم اساب میں اس کے لئے مقرر ہے جہاں تک اس بارے میں میرے علم و فہم اور غور و فکر کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں اس سلسلہ میں سب سے پہلے کرنے کا جو کام ہے وہ قرآن و حدیث کی روشنی و رہنمائی میں اسلام کے حقیقی معاشی نظام کے تعین کا علمی و فکری کام ہے موجودہ حالات میں یہ اہم علمی کام انفرادی کی بجائے اجتماعی طریقہ سے ہونا چاہیئے مطلب یہ کہ اس اہم علمی و فکری کام کو انجام دینے کے لئے ایسے علماء کرام کی ایک جماعت مقرر کی جانی چاہیئے جو قرآن و حدیث کے وسیع و عینیں علم کے ساتھ علم المعاشیات اور جدید معاشی نظاموں سے بھی ایک حد تک واقف و آگاہ ہوں نیز ضروری ہے کہ اس کے ارکان کلے ذہن کے ساتھ غور و فکر اور استنباط و استخراج کی غیر معمولی صلاحیت رکھتے اور استدلال کے منطق طریقوں کو اچھی طرح جانتے ہوں اور کسی فقیر کے اندر سے مقلد نہ ہوں شخصیت سے زیادہ دلیل سے متاثر ہوتے ہوں، اس جماعت کے ارکان کے لئے جدید معاشی علوم و افتکار اور مروجہ معاشی نظاموں سے ایک حد تک واقفیت اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس کے بغیر قرآن و حدیث کی معاشی تعلیمات کا نہ معاشی مفہوم و مطلب اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ان کو معاشیات کی زبان میں سمجھایا اور معاشی نظام کی

صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے اسی طرح چونکہ مطلوبہ علمی کام اجتماعی نویسیت کا ہے لہذا اس کام کو انجام دینے والی جماعت کا استنباط و اخراج کی صلاحیت سے آراستہ اور استدلال کے نقشی اور منطقی طریقوں سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہے۔

اس میں شک نہیں کہ موجودہ حالات میں مذکورہ اوصاف کے علماء بہت ہی کم تو ہو سکتے ہیں لیکن بالکل تائید اور مفہود نہیں اخلاص اور سنجیدگی کے ساتھ تلاش و جستجو کی جائے تو چند ایک ضرور مل سکتے ہیں ایسے علماء کرام کو تلاش کر کے ایک جگہ جمع کرنا مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں، اس کام کو سرکاری اداروں کی بجائے غیر سرکاری آزاد علمی ادارے بہتر طور پر کر سکتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ غیر حکومتی اور غیر سیاسی علمی و دینی اداروں کو ہی یہ اہم علمی کام کرنا کرانا چاہیے۔

تحدیث نعمت کے طور پر عرض ہے کہ مجھے گزشتہ تین سال سے اسلامی معاشیات کے موضوع سے خصوصی دلچسپی اور اس کی طرف بھرپور توجہ رہی ہے میں نے اس کے متعلق بہت کچھ پڑھا اور سوچا اور پھر لکھا بھی ہے کہ جس کا کچھ حصہ علمی و دینی ہفت روزہ اور ماہانہ پرچوں میں شائع ہوا اور کافی حصہ اب تک شائع نہیں ہوا، اس عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ موضوع سے متعلق بہت کچھ پڑھنے سوچنے اور غور و فکر کرنے کے بعد میں اس نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ قرآن و حدیث میں معاشری نویسیت کی جو تعلیمات ہیں وہ تین طرح کی ہیں ایک وہ جن کی حیثیت اخلاقی موانع و تنقیبات کی ہے دوسری وہ جن کی نویسیت مستقل اور حقیقی قوانین کی ہے اور تیسرا وہ جن کی حیثیت وقتی اور عارضی احکام و قوانین کی ہے ان تین طرح کی معاشری تعلیمات کے مابین کہیں وجوہ سے فرق و مغایرت ہے اول الذکر اخلاقی تعلیمات احسان پر مبنی ہیں جس کے معنی ہیں رضاکارانہ طور پر اپنے حق کا دوسرا کے لئے ایجاد کرنا، بالفاظ دیگر اپنی عرضی خوشی سے دوسرے کو وہ چیز دے دینا جس کا وہ "قانوناً" حقدار نہ ہو، ثانی الذکر مستقل اور حقیقی قانونی تعلیمات عدل پر مبنی ہیں جس کے معنی ہیں محلات میں ہر فرق کو اس کا حق ٹھیک ٹھیک اور پورا پورا ملتا، اور ہالٹ الذکر وقتی اور عبوری اور قانونی تعلیمات وقتی مصلحت پر مبنی ہیں جس کا مطلب ہے ناموافق حالات میں نسبتاً جو بہتر ہو اس کو اختیار کر لینا دوسری وجہ ان تین طرح کی تعلیمات کے درمیان فرق و مغایرت کی یہ ہے کہ اول الذکر اخلاقی معاشری تعلیمات کی شرعی حیثیت نظر اور منتخب کی ہے جن پر عمل کرنے نے

کرنے کا بندہ مومن کو اختیار ہوتا ہے جا ہے تو ان پر عمل کرے اور جا ہے تو نہ کرے البتہ ان پر عمل کرنا عنداللہ بڑے اجر و ثواب کا موجب ہے اور نہ کرنا عنداللہ نہ گناہ اور نہ موجب عذاب، اسلامی حکومت ان کی پابندی پر کسی کو مجبور نہیں کر سکتی ہاں ترغیب ضرور دلا سکتی ہے مثلاً "جو افراد ان پر عمل کریں ان کو قوی اعزازات اور خاص مراعات سے نواز سکتی ہے جب کہ ملائی الذکر قانونی تعلیمات کی شرعی حیثیت فرض اور واجب کی ہے جن پر عمل کرنا لازمی و ضروری ہوتا ہے۔ گویا یہ اختیاری نہیں جبکہ نوجیت کی ہیں" اور یہ کہ ان کی پابندی موجب اجر و ثواب، نیکی اور خلاف ورزی موجب عتاب و سزا جرم و گناہ ہے اسلامی حکومت ان قانونی تعلیمات کی پابندی پر شربوں کو مجبور کر سکتی ہے چنانچہ خلاف ورزی کرنے والوں کو تعزیری سزا دے سکتی ہے اسی طرح تیسری تعلیمات جو وقتنی اور عبوری احکام کی حیثیت رکھتی ہیں مخصوص عبوری حالات میں واجب العمل ہوتی اور حکومت ان کی پابندی پر مجبور کر سکتی ہے تیسری وجہ ان تین قسم کی معاشی تعلیمات کے مابین فرق و مختارت کی یہ ہے کہ جو تعلیمات عدل پر مبنی ہونے کی وجہ سے مستقل اور حقیقی قوانین کی حیثیت رکھتی ہیں ان پر عمل کے نتیجے میں افراد کے معاشی حقوق پوری طرح محفوظ ہو جاتے اور معاشرے میں معاشی اعتدال و توازن وجود میں آتا ہے ہر ہر فرد کو کسی نہ کسی شکل میں بنیادی معاشی ضوریات بھی میر آ جاتی ہیں اور معاشی ترقی کا موقع بھی مل جاتا ہے جب کہ احسان و ایثار پر مبنی اخلاقی تعلیمات پر عمل کرنے سے ان لوگوں کے تعلقات میں سکون بخش خونگواری پیدا ہوتی اور عمل کرنے والوں کو اخلاقی و روحانی عظمت نصیب ہونے کے ساتھ معاشرے میں عزت اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ دوسروں پر احسان کرنا اور ان کو نفع اور راحت پہنچانا ایسا عمل ہے جس کو ہر انسانی معاشرے میں اچھا اور مستحسن سمجھا جاتا ہے اور عمل کرنے والے کی حکمیم و توقیر کی جاتی ہے گویا یہ ایک عالمگیر اچھائی و سچائی ہے رہی تیسری نوع کی عبوری معاشی تعلیمات جو وقتنی صلحت پر مبنی ہیں ان پر عمل کرنے سے معاشرے میں موجود ظلم و فساد میں کچھ کی واقع ہوتی اور اجتماعی حالت نبنتا" بہتر بن جاتی ہے چوہنی وجہ ان تین قسم کی معاشیات تعلیمات کے درمیان فرق و مختارت کی یہ ہے کہ عدل پر مبنی جو مستقل اور حقیقی قوانین کی طرح کی معاشی تعلیمات ہیں وہ اپنی وضع و ساخت کے لحاظ سے ایک ہی متعین شکل رکھتی ہیں نظری طور پر بھی اور عملی طور پر بھی جب کہ احسان پر مبنی جو اخلاقی

نوبت کی تعلیمات ہیں ان کی نظری اور عملی طور پر ایک سے زیادہ بکھرت شکلیں ہو سکتی ہیں، اسی طرح وقتی مصلحت پر منی جو عارضی اور عبوری قسم کی قانونی تعلیمات ہیں ان کی بھی نظری اور عملی طور پر کوئی ایک مشین شکل نہیں بلکہ ایک سے زیادہ کثیر التعداد شکلیں ہو سکتی ہیں اس کی وجہ یہ کہ اول الذکر تعلیمات جس احسان پر منی ہیں اس میں مساوات و برابری کا تصور ہے اور ثانی الذکر تعلیمات جس احسان پر منی ہیں اس میں زیادہ کا تصور ہے جب کہ آخر الذکر تعلیمات جس مصلحت پر منی ہیں اس میں کم اور ادھورے کا تصور ہے اور چونکہ لین دین کے کسی معاملہ میں مساوات کی صرف ایک شکل ممکن ہوتی ہے لہذا عدل و مساوات پر منی تعلیمات کی بھی صرف ایک ہی شکل ممکن ہے اور اس کے بالمقابل چونکہ زیادہ اور کم کی بکھرت شکلیں ہو سکتی ہیں لہذا زیادہ اور کم پر منی تعلیمات کی بکھرت شکلیں ہو سکتی ہیں اس بات کی مندرجہ وضاحت کے لئے ایک مثال پیش کرتا ہوں ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے کہ میرا یہ کام کر دو تو اس کی اجرت ٹھا۔“ دس روپے ہو گی دوسراء کام کر دتا ہے تو دس روپے کا حقدار ٹھرتا ہے اب اگر وہ کام کرانے والا کام کرنے والے کو پورے دس روپے دتا ہے تو عدل کی شکل اور دس سے زیادہ دتا ہے تو احسان کی شکل اور دس سے کم دتا ہے تو ظلم کی شکل قرار پاتی ہے اس مثال میں نظری اور عملی طور پر عدل کی صرف ایک شکل ہے یعنی پورے دس روپے دتا اور احسان کی بے شمار شکلیں ہو سکتی اس لئے کہ دس روپے پر زیادہ کی بے شمار شکلیں ہو سکتی ہیں دس روپے پر ٹھا۔“ ایک پیسہ زائد ہو تو احسان کی ایک شکل ایک روپیہ زائد ہو تو دوسری شکل پائی رہے زائد ہو تو تیسرا شکل اور دس روپے زائد ہو تو چوتھی شکل۔ غرضیکہ ذکورہ معاملے میں احسان کی سیکنڈوں ہزاروں شکلیں ہو سکتی ہیں اس طرح مثال ذکور میں دس روپے سے کم کی پیسیوں کے لحاظ نوس ننانے اور روپوں کے لحاظ سے نو شکلیں ہو سکتی ہیں اور ہر ایک ظلم و حق تلقی کا مصدقہ قرار پاتی ہے۔ اس مثال سے یہ بھی واضح ہوا کہ لین دین کے مالی معاملہ میں عدل کے قیصیں پر احسان اور ظلم کے قیصیں کا داروددار ہے اور یہ کہ عدل گویا احسان اور ظلم کے درمیان حد فاصل ہے جس کی ایک طرف کا نام احسان اور دوسری طرف کا نام ظلم ہے لہذا جب تک کسی معاملہ میں عدل کی شکل مشین نہ ہو اس میں احسان اور ظلم کی شکلیں متعین و معلوم نہیں ہو سکتیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام کے محاذی نظام کو ایک مشین شکل میں مرتب اور پیش کیا جا سکتا ہے تو صرف اس کی ان

معاشی تعلیمات کی بنیاد پر جو عدل پر مبنی ہونے کی وجہ سے مستقل و حقیقی قوانین اور واجب العمل فرض احکام کی حیثیت رکھتی ہیں نہ احسان والی اخلاقی تعلیمات کی بنیاد پر مرتب و پیش کیا جا سکتا ہے اور نہ وقتی مصلحت والی عارضی اور عبوری تعلیمات کی بنیاد پر جو عبوری حالات سے تعلق رکھتی ہیں۔

علاوه ازیں اسلام کے معاشی نظام کی سرمایہ دارانہ اور اشتراکی معاشی نظاموں پر عقلی و نظری لحاظ سے بہتری و برتری ثابت کی جاسکتی ہے تو وہ بھی اس کی ان معاشی تعلیمات کی بنیاد پر جو عدل پر مبنی مستقل اور حقیقی قوانین کی حیثیت رکھتی ہیں جہاں تک احسان و ایثار پر مبنی اخلاقی نوعیت کی معاشی تعلیمات کا تعلق ہے ان کی تعلیم و ترغیب صرف دین اسلام میں ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر ساوی دین و مذہب میں موجود ہے بلکہ لا دین تم کے انسانی معاشروں میں بھی ایسے لوگوں کو اچھا سمجھا اور عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے جو ازراہ ہمدردی اور خیر خواہی دوسروں کے لئے مالی ایثار کرتے اور رفاه عام کے معارف میں مل کھول کر حصہ لیتے ہیں حالانکہ وہ "قانوناً" اس کے پابند نہیں ہوتے گویا احسان والی اخلاقی تعلیمات پر عمل کی ترغیب تمام انسان اور تمام معاشروں میں پائی جاتی ہے یہ دوسری بات ہے کہ اس تم کی اخلاقی تعلیمات پر عمل کرنے کے جو منفی اور روحانی حرکات اسلامی ہدایت میں ہیں وہ بہت قوی و زیادہ پائیدار ہیں بہر حال اسلام میں جو اخلاقی نوعیت کی معاشی تعلیمات ہیں ان کی بنا پر اسلام کے معاشی نظام کی بہتری و برتری دوسرے معاشی نظاموں پر ثابت نہیں کی جاسکتی اسی طرح اسلام کی ان معاشی تعلیمات کی بنا پر بھی اسلامی معاشی نظام کی دوسرے معاشی نظاموں پر بہتری اور برتری ثابت نہیں کی جاسکتی جو ناموافق عبوری حالات سے متعلق عبوری اور وقتی احکامات کی حیثیت رکھتی ہیں کیونکہ ان کے اندر کچھ نہ کچھ ظلم و حق تنقی کی برائی ضرور موجود ہوتی لہذا وہ خلاف عدل ہونے کی وجہ سے منتہ اسلام کے مطابق نہیں ہوتی اور ان کا اختیار کرنا مالا بد رک کلد لا بت رک کلد۔" کے طور پر ہوتا ہے یعنی جب مطلوبہ شے پوری نہ مل سکتی ہو بلکہ ادھوری مل سکتی ہو تو وقتی طور پر اسی کو اختیار کر لیا جائے اور پوری کے لئے کوشش جاری رہے یا یوں کیلئے کہ ان کا اختیار کرنا اہون البلیتین اور اخف الشرين کے طور پر ہوتا ہے یعنی جب دو برائیوں میں سے ایک کا اختیار کرنا ضروری و ناگزیر ہو تو وقتی طور پر کم درجہ کی برائی کو اختیار کر لیا جائے یعنی نفرت کے ساتھ اور بالآخر چھوڑ

دینے کے ارادہ سے بھر حال یہ عبوری حالات سے تعلق رکھنے والی معاشی تعلیمات ہرگز ایسی نہیں جن کی بناء پر اسلامی معاشی نظام کے ہاتھ ہونے کا دعویٰ کیا جا سکتا ہو۔

خلاصہ یہ کہ قرآن و حدیث میں معاشی نویسیت کی جو تین طرح کی تعلیمات ہیں وہ اپنے اساس و بنیاد 'اپنی حقیقت و ماہیت' 'اپنی شرعی حیثیت و اہمیت' اپنے نشانہ و مقصد اور اپنے معروضی اثرات و نتائج کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف اور جدا ہیں ان میں سے ہر ایک کے اخلاق کا محل و موقعہ الگ اور جدا ہے لہذا ان کو آپس میں خلط لطڑ کرنا اور ملاٹانا اصولاً غلط قرار پاتا اور ان کے بگاڑ کا باعث بتا ہے اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہوتا کہ ان میں سے بعض کو لیا اور بعض کو نظر انداز کر دیا جائے کیونکہ ان میں سے ہر نوع کی تعلیمات بجائے خود اہم اور ضروری ہیں اگرچہ ان کا محل موقعہ ایک دوسرے سے جدا ہے۔

جہاں تک میرے مطالعے اور شخص کا تعلق ہے اسلامی معاشیات پر لکھی گئی کسی تحریر اور چھوٹی بڑی کسی کتاب میں میری نظر سے نہیں گزرا کہ کسی نے اسلام کی مذکورہ تین قسم کی معاشی تعلیمات پر بحث فرمائی ہو گویا کہ اس طرف توجہ گئی ہی نہیں اور یہ حقیقت نہ ہوں سے او جمل رہی چنانچہ اس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ اسلامی معاشیات پر لکھنے والے بعض حضرات نے مذکورہ تین قسم کی تعلیمات کو انہل بے جوڑ طریقہ سے آپس میں خلط لطڑ اور گذہ ڈکر دیا دوسرے بعض حضرات نے صرف ایک نوع کی معاشی تعلیمات کو اسلام کی اصل معاشی تعلیمات قرار دے کر باقی تعلیمات کو تاویل کے ذریعے نظر انداز کر دیا ۔۔۔ بعض نے احسان والی اخلاقی تعلیمات کو اصل قرار دے کر عدل اور مصلحت والی معاشی تعلیمات کو نظر انداز کر دیا اور بعض نے اس کے بر عکس عدل والی تعلیمات کو اصل ٹھہرا کر احسان اور مصلحت والی تعلیمات سے صرف نظر کیا اور بعض نے بے سوچ سمجھے عدل والی مستقل قسم کی قانونی تعلیمات کو وقتی مصلحت والی عارضی قانونی تعلیمات سے ملا کر ایسا مجموعہ مرکب پیش کیا جس کے اجزاء کے مابین اختلاف کی بجائے تضاد پایا جاتا تھا گویا اسلامی معاشیات کے متعلق علماء کرام کے درمیان جو اختلاف ہے اس کا ایک خاص سبب یہ بھی ہوا کہ قرآن و حدیث میں جو تین طرح کی معاشی تعلیمات اور ان کے درمیان فرق و مخالفت کی جو متعدد وجوہ تھیں ان کی طرف ذہن نہ گیا اور وہ نگاہ سے او جمل رہیں ہنا بہیں ضروری ہے کہ اسلام کے معاشی نظام پر علمی کام کرنے والی جماعت مذکورہ حقیقت کو پوری طرح اور لازمی طور پر لمحظ و مد نظر رکھے تاکہ

اسلام کے معاشری نظام کا خاکہ مختلف صورت میں سامنے آئے۔

اسلامی معاشریات کے متعلق علماء اسلام کے مابین جو اختلافات ہیں انکا دوسرا سبب میرے نزدیک بحث و تحقیق کا وہ طریقہ ہے جو بعض جزوی معاشری معاملات کی شرعی حیثیت متعین اور معلوم کرنے کے لئے عام طور پر اختیار کیا گیا بحث و تحقیق کے اس طریقہ سے مراد وہ طریقہ ہے جس میں کسی کل کے اجزاء میں سے ایک جزء کی جزوی حقیقت اور حیثیت متعین کرنے میں نہ کل کے مقصد وجود کو اور نہ اس کے بقیہ اجزاء کو سامنے رکھا جائے بلکہ صرف دوسرے خارجی دلائل سے فائدہ اٹھایا جائے جن کی تعبیر و تشریع میں مختلف آراء کی مخالفت پائی جاتی ہو چونکہ بحث و تحقیق کا یہ طریقہ جن دلائل پر مبنی ہوتا ہے ان میں اختلاف کی مخالفت موجود ہوتی ہے لہذا متارجع میں اختلاف دونما ہونا قدرتی امر ہے۔

مثال کے طور پر معاملہ مزارعت کو لیجئے اس کی شرعی حیثیت کے متعلق علماء کرام کے مابین جو اختلاف ہے کہ بعض اس کو شرعی طور پر جائز اور دوسرے بعض اس کو ناجائز بتلاتے ہیں اس اختلاف کی بنیاد مخفف وہ احادیث و آثار ہیں جو مزارعت کے متعلق کتب و حدیث میں ذکور ہیں اور جن کے الفاظ سے مزارعت کا جواز بھی لکھا ہے اور عدم جواز بھی۔ لہذا مخفف ان احادیث و آثار کی بنا پر مزارعت کو جائز کرنے کی بھی مخالفت ہے اور ناجائز کرنے کی بھی مخالفت، تو پھر ظاہر ہے کہ یہ اختلاف کبھی ختم نہیں ہو سکتا حالانکہ اس کا ختم ہونا اس لئے ضروری ہے کہ اس کے ختم ہوئے بغیر اسلام کے حقیقی معاشری نظام کا تینیں نہیں ہو سکتا اور یہ پہنچنے میں چل سکتا کہ مزارعت کی بنیاد پر قائم زمینداری نظام از روئے اسلام جائز ہے یا ناجائز؟ کسی اسلامی ملک و معاشرے میں اس کو قائم رہنا یا ختم ہو جانا چاہیے؟ آج ہم یہ کہ کروچنے والوں کو مطمئن نہیں کر سکتے کہ فلاں امام و فقیہ کے نزدیک یہ جائز اور فلاں امام اور فقیہ کے نزدیک ناجائز ہے وہ اللہ اور رسول اور قرآن و حدیث کے حوالے سے صرف ایک بات سنتا اور جانتا چاہتے ہیں دو مختلف اور متفاہد پاتیں ایک ہی معاملہ کے متعلق سنتا اور جانتا نہیں چاہتے لہذا ضروری ہے کہ اس معاملہ کے متعلق جو اختلاف ہے وہ دور ہو اور صرف ایک بات واضح اور قطعی صورت میں سامنے آئے، اور میں سمجھتا ہوں ایسا اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب معاملہ مزارعت کی شرعی حیثیت متعین اور معلوم کرنے میں صرف احادیث و آثار یعنی روایات پر اعتماد نہ کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضرور دیکھا جائے کہ عام

معاشی معاملات کے جواز و عدم جواز اور درست و نادرست کے متعلق قرآن حکیم میں جو اصولی اور کلی ضابطہ ہے اس کے مطابق معاملہ مزارعہ جائز و درست معاملات کی فہرست میں آتا ہے یا ناجائز و نادرست معاملات کے زمرہ میں شامل ہے اور یہ کہ قرآن مجید میں معاشی حق اور معاشی عدل اور معاشی ظلم کا جو اصولی تصور ہے اس کی روشنی میں معاملہ مزارعہ اپنے معروضی اثرات و نتائج کے لحاظ سے معاشی عدل کا مصدقہ ثابت ہے یا معاشی ظلم کا مصدقہ؟ نیز یہ کہ اسلام اپنی معاشی ہدایات و تعلیمات کے ذریعے معашرے میں جو معاشی اعتدال و توازن پیدا کرنا چاہتا ہے وہ معاملہ مزارعہ کے جواز سے پیدا ہوتا ہے یا اس کے عدم جواز سے نیز اسلام جس طرح کے معاشی سیاسی اور تمدنی حالات پیدا کرنا چاہتا ہے مزارعہ کا جواز اور روانج ان کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے یا مدد و معاون ثابت ہوتا ہے؟ ان تمام امور پر غور و فکر کیا جائے اور ان کو مزارعہ کے جواز و عدم جواز کی بحث میں پوری طرح لمحظ رکھا جائے تو ایک متفقہ اور یقینی نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں اور موجودہ اختلاف ختم ہو سکتا ہے جو اس کے جواز و عدم جواز میں پایا جاتا ہے۔

مزارعہ کی طرح جن دوسرے معاشی امور و معاملات کے شرعی حکم یعنی جواز و عدم جواز کے متعلق علماء کے درمیان اختلافات پائے جاتے ہیں وہ بھی بحث و تحقیق کے اس نئے سائنسی اور عقلی اسلوب سے دور کئے جاسکتے ہیں اور ایک متفقہ اور یقینی صورت سامنے آ سکتی ہے۔

مقدوم اس دوسرے سبب اختلاف کو بیان کرنے کا یہ ہے کہ اسلامی معاشی نظام کے تعین پر علمی کام کرنے والی مجوزہ جماعت اس کو بھی ضرور لمحظ اور پوری طرح سامنے رکھے آکے جو متعین ہو متفقہ طور پر متعین ہو، اسلامی معاشیات سے متعلق علماء اسلام کے درمیان اختلافات کا تیرا سبب جس کا ذکر ضروری ہے یہ ہوا کہ اسلامی معاشیات پر علمی کام کرنے والوں میں سے بعض نے اس کا اعتماد اور اہتمام کیا کہ اسلام کے حوالے سے جو بھی بات کی اور لکھی جائے وہ موجودہ حالات میں لوگوں کے لئے قابل قبول اور قابل عمل ہو آکے کوئی یہ نہ کہ سکے کہ اسلام آج کے حالات میں قابل عمل نہیں لہذا انہوں نے اسلام کی خیر خواہی کے جذبے ہر راجح وقت سرمایہ دارانہ معاشی نظام کے ہر ہر جزو کو جلوں اور تاویلوں کے ذریعے اور الفاظ کے رد بدل سے اسلامی ثابت کرنے کی کوشش کی۔ بینکاری کا ادارہ ہو یا بیسہ کاری

کا ادارہ جو ائمہ اسک کمپنیوں کا ادارہ ہو یا حکومت کے جاری کردہ مختلف قسم کے سریٹلکٹیٹ اور پائیز کے لین دین کا ادارہ، اسلام کے حوالے سے ان کو جائز نہیں۔ غرضیکہ ان کا تجویز کردہ اسلامی معاشی نظام، بنیادی طور پر نظام سرمایہ داری ہی کی دوسرا شکل ہے۔ اپنے معروضی اڑات و نتائج کے لحاظ سے دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ لہذا اس سے ہمارے اس دعوے کی صاف تردید ہوتی ہے کہ اسلام کا معاشی نظام سرمایہ دارانہ معاشی نظام سے بنیادی طور پر مختلف اور افادی طور پر بہتر ہے ممکن ہے کہ یہ حضرات اس دعوے کو ہی قائل نہ ہوں یا یہ کہ اسلام کے معاشی نظام کو موجودہ حالات کے مطابق بنانے کی فکر و کوشش میں اتنے منمک اور مستنقہ ہو گئے ہوں کہ ان کو اپنے دعوے کا خیال ہی نہ رہا ہوں بہر حال ان حضرات کا تجویز کردہ اسلام کا معاشی نظام اس سے بالکل مختلف بلکہ متفاہ ہے جو اسلام کے حقیقی مأخذ قرآن و حدیث میں مذکور ہے۔

مذکورہ اہل علم حضرات کے بالمقابل دوسرے بعض حضرات نے اسلام کے معاشی نظام کی تعبیر و ترجیحی میں سختی کیا تھی یہ روایہ اور طرز فکر اختیار کیا کہ اسلامی معاشی نظام کے متعلق اسلام کے حوالے سے جو بھی بات کہی اور لکھی جائے ضروری ہے کہ وہ قرآن و حدیث کے مطابق ہو یعنی اس کا اجمالی یا تفصیلی ثبوت قرآن و حدیث میں موجود ہو اس کی کچھ پروانہ کی جائے کہ وہ موجودہ حالات میں قابل تقبل اور قابل عمل ہے یا نہیں، گواہ ان کا موقف یہ رہا کہ اسلام کو حالات کے مطابق بنانے کی بجائے حالات کو اسلام کے مطابق بنایا جائے چنانچہ ان حضرات نے راجح وقت سرمایہ دارانہ نظام کو روڈ و سود پر بنی ہونے کی وجہ سے غیر اسلامی قرار دیا اور ایسے تمام معاملات کو اسلام کی رو سے حرام و ناجائز بتالیا جو روڈ و قمار یعنی سود اور جوئے پر بنی اور نظام سرمایہ داری کے عناصر تکمیلی تھے چنانچہ طرز فکر کے مذکورہ اختلاف کے نتیجے میں بت سے وہ اختلافات وجود میں آئے جو اسلامی معاشریت سے متعلق علماء کے مابین موجود ہیں اور جن کی وجہ سے اسلام کا معاشی نظام ایک چیستیں اور خواب پریشان بن کر رہ گیا ہے۔

اس تیرے سبب اختلاف کے بیان سے بھی مقصود یہ ہے کہ اسلام کے معاشی نظام پر عملی کام کرنے والی علماء کی بھروسہ جماعت اس پہلو پر بھی ضرور نکاہ رکھے اور وہ طرز فکر اور انداز تحقیق اختیار کرے جس سے حقیقی اسلام کا تحفظ ہوتا اور اسلام کا وہ اصل معاشی نظام

سامنے آتا ہو جو قرآن و حدیث میں ہے ۔

پھر جب اسلام کے حقیقی معاشی نظام کے تین کا مرحلہ خیر و خوبی کے ساتھ اور اطمینان بخش طور پر طے ہو جائے تو اس کے بعد کا مرحلہ اس کے عملی نفاذ کا مرحلہ ہے جس کے متعلق پہلے کافی تفصیل کے ساتھ عرض کیا گیا کہ اسلام کا عادلانہ معاشی نظام صرف ایسے معاشرے میں نافذ ہو سکتا اور پائیداری کے ساتھ قائم رہ سکتا ہے جس کے اندر خاص طرح کا ذہنی اور خارجی ماحول موجود ہو نیز یہ بھی عرض کیا گیا تھا کہ خاص طرح کے ذہنی اور خارجی ماحول سے مراد کیا ذہنی اور خارجی ماحول ہے اور یہ بھی کہ وہ کس طریقے سے معرض وجود میں آ سکتا ہے اسی طرح یہ بھی ائمہار حقیقت کے طور پر عرض کیا گیا تھا کہ موجودہ نام نہاد اسلامی معاشروں بالخصوص پاکستانی معاشرے کے اندر وہ ذہنی اور خارجی ماحول موجود نہیں جو اسلامی معاشی نظام کے عمل میں آئے اور پائیداری کے ساتھ قائم رہنے کے لئے ضروری ہے لہذا ایسی صورت حال میں پاکستانی ملک و معاشرے کے لئے اپنے ہاں اسلامی معاشی نظام نافذ اور رائج کرنے کا صحیح طریقہ کار صرف یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اسلامی معاشی نظام کو بطور نصب الحین اور آخری منزل کے پوری طرح سامنے رکھے اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ درجہ بدرجہ اور مرحلہ بمرحلہ اس کی طرف بڑھنے اور پیش قدمی کرنے کی کوشش کرتا رہے چنانچہ اس کے لئے ضروری ہو گا کہ ایک طرف مطلوبہ ذہنی ماحول پیدا کرنے کے لئے ایمانی عقائد پر مشتمل نظام تعلیم اور اس ذہنی ماحول کو قائم برقرار اور زندہ رکھنے کے لئے اسلامی عبادات و اخلاق پر مشتمل نظام تربیت عمل میں لائے اور پوری سمجھیگی کے ساتھ اس کو رواج دے تاکہ ذہنوں میں نہایت وسیع و ہمہ گیر عدل و احسان کی طرف رغبت اور ہر قسم کے ظلم و عدوان سے نفرت کے جذبات موجزیں ہوں جن کی تحریک سے ایک انسان بلا کسی تخصیص و انتیاز ہر دوسرے انسان سے عدل و احسان کا برداشت کرے یعنی نہ صرف یہ کہ دوسرے کا حق اس کو تحریک ٹھیک اور پورا پورا دے بلکہ اپنے حق کا اس کے لئے ایجاد کرے اور اس کا مقصد اللہ کی رضا و خوشنودی اور آخرت کی فلاح و کامیابی حاصل کرنا ہو اس کے اندر نفع اندوزی کی بجائے خلق خدا کی نفع رسائل کا ولولہ ہو ہر دوسرے کے ساتھ اس کا سلوك و برداشت ایسا ہو جیسا وہ اپنے لئے دوسرے سے چاہتا ہے۔ اسی طرح وہ اپنے نظام تعلیم و تربیت کے ذریعے ذہنوں میں اس بات کو بخانے اور رائج کرے تمام انسان بحیثیت انسان کے برابر ہیں کسی کو کسی پر

ریگِ نسل و ملن زبان خاندانِ نسب و ذات کی بناء پر فضیلت و برتری حاصل نہیں اسی طرح مال و دولت اور جاہ و اقتدار بھی وجہ فضیلت اور سبب عزت و شرف نہیں بلکہ فضیلت و شرف اور عزت و تکریم کا ایک اور صرف ایک سبب تقویٰ ہے جس کے عملی مظاہر میں سے سب سے بڑا اور نمایاں مظہرِ خلق خدا کے ساتھ احسان اور ایثار سے پیش آتا اور بے لوثی کے ساتھ ان کو فتح پہنچانا ہے بنا بریں ضروری ہے کہ معاشرے میں ایسا معاشرتی ماحول تیار کیا جائے جس میں بلا کسی تخصیص و امتیاز تمام افراد کو بنیادی انسانی حقوق کیساں طور پر حاصل ہوں اور عزت و برابری کا معیار مال و دولت اور جاہ و اقتدار نہ ہو بلکہ نیکی اور تقویٰ اور احسان و ایثار ہو جو جتنا نیک مقنی اور احسان و ایثار کرنے والا ہو اتنا ہی وہ معاشرے میں معزز و سکریم ہو۔ اسلامی معاشری نظام کے ہر وعے کا راستہ کار آئنے کے لئے مذکورہ معاشرتی ماحول اس وجہ سے ضروری ہے کہ اسلامی معاشری نظام میں مال و دولت کو جمع رکھنے کی بجائے راہ خدا اور رفاه عام کے مصارف میں خرچ کر دینے کی جو تعییں اور قارونیت کی جو ممانعت ہے اس پر مذکورہ ماحول کے بغیر عمل نہیں ہو سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس معاشرے میں عزت و برابری کا معیار مال و ملک ہو اور ہر اس شخص کو معزز اور بڑا سمجھا جاتا ہو جس کے پاس زیادہ سے زیادہ مال و دولت ہو تو اس میں مال و دولت حاصل کرنے اور اس میں ایک دوسرا سے پر سبقت لے جانے میں طالع و حرام اور جائز و ناجائز کی تجزیہ ختم ہو جاتی اور ہر ایک تکاثر یعنی زیادہ سے زیادہ اور بڑے سے بڑا مالدار بننے کے خط میں جلا ہو جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ عام بدآمنی اور بے چینی کی صورت میں سامنے آتا ہے جس کو اسلام نہیں چاہتا۔

سازگار خارجی ماحول تیار کرنے کے لئے جس دوسری چیز کا وجود ضروری ہے اور جس کو وجود میں لانے کی ہر ممکن کوشش کی جانی چاہیے وہ بنیادی معاشری ضروریات میں خود کفالت ہے مطلب یہ کہ ایسی تمام چیزیں ملک کے اندر باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت پیدا کرنے کی انتہائی کوشش کی جانی چاہیے جو زندہ رہنے کے لئے ضروری ہیں آسانیش اور چیز کی چیزوں کی طرف اس وقت توجہ دی جائے جب ضروریات میں خود کفالت حاصل ہو جائے کیونکہ جو مسلم معاشرہ بنیادی معاشری ضروریات میں خود کفیل نہ ہو بلکہ وہ ان کے لئے غیر مسلم معاشروں کا محتاج و دست نگر ہو تو وہ زندہ رہنے

کے لئے بجور ہوتا ہے کہ غیر مسلم معاشروں سے ان کے شرائط اور خواہشات کے مطابق ضروریات زندگی حاصل کرے اور اس کی یہ بجوری اپنے اسلامی معاشی اصولوں پر عمل کرنے کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔

اسلامی معاشی نظام کے عملی نفاذ کے لئے جس خارجی ماحول کا وجود ضروری ہے اس کا ایک پہلو سیاسی آزادی اور کامل خود مختاری بھی ہے یعنی مسلمہ معاشرے کے لئے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کے تسلط سے آزاد اور پوری طرح خود مختار ہو یعنی وہ اپنے معاملات ہمروں مخالفت کے بغیر اپنی مرضی سے طے کر سکتے کی پوزیشن میں ہو کیونکہ جو معاشرہ اور ملک کسی دوسرے معاشرے اور ملک کے زیر تسلط اور ماتحت ہو وہ اپنے ہاں کوئی ایسا معاشی نظام راجح نہیں کر سکتا جو اپنے والے مسلط ملک و معاشرے کے مقادرات سے مطابقت نہ رکتا ہو۔ لہذا مسلمان معاشروں پر لازم اور واجب ہے کہ وہ غیر مسلم معاشروں کے تسلط سے کامل طور پر آزاد اور خود مختار ہونے کی ہر ممکن کوشش کریں اس کے لئے وہ اپنے سب طریقوں سے کام لیں جو شرعاً جائز ہوں اور جن کو انتیار کرنے سے کامل آزادی اور خود مختاری کا مقصد حاصل ہو سکتا ہو، یہاں یہ عرض کردینا غیر مناسب نہ ہو گا کہ آج بت سے مسلم ممالک کو جو آزادی و خود مختاری حاصل ہے وہ محض نام کی اور ناقص آزادی و خود مختاری ہے۔ جانے والے جانتے ہیں ان کی تمام پالیسیوں اور منصوبہ بندیوں میں باہر والوں کا کتنا عمل دخل ہوتا ہے۔ خارجی امور میں ہی نہیں داخلی امور میں بھی ان کو مغلی ممالک کی مرضی کا کتنا خیال اور لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ بہر حال جو مسلم ممالک اور معاشرے اپنے ہاں اسلام کے اجتماعی نظام کو کامل طور پر عمل میں لانا اور بروئے کار دیکھنا چاہتے ہیں ان کے لئے لازی و ضروری ہے کہ وہ سیاسی طور پر کمل آزاد و خود مختار اور معاشی ضروریات کے لحاظ سے خود کفیل اور خود کمتنی بننے کی انتہائی سی و کوشش اور پوری جدوجہد کریں۔

واضح رہے کہ سطور بالا میں یہ جو عرض کیا گیا ہے کہ اسلام کے حقیقی معاشی نظام کے عملی نفاذ کے خاص طرح کے ذہنی اور خارجی ماحول کا معاشرے میں موجود ہونا ضروری ہے اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ جب تک وہ خاص طرح کا مطلوبہ ذہنی اور خارجی ماحول کامل طور پر وجود میں نہ آجائے اصلاح کے سلسلہ میں کوئی قدم نہ اٹھایا اور اس ظالمانہ معاشی نظام میں کوئی تغیری اور ردیبل نہ کیا جائے جو فی الوقت معاشرے میں موجود ہے بلکہ مطلب یہ ہے

کہ کامل طور پر اسلام کا معاشی نظام تو بلاشبہ اسی وقت عمل میں آ سکتا ہے جب وہ مطلوبہ ذہنی اور خارجی ماحول پوری طرح عمل میں آ جائے لیکن تاقص طور پر اس وقت بھی عمل میں آ سکتا ہے جب مطلوبہ ذہنی اور خارجی ماحول تاقص طور پر موجود ہو۔ لہذا ایسے اسلامی معاشرے کے لئے اسلام کی ہدایت و تعلیم یہ ہے جس نے اجتماعی طور پر یہ طے کر لیا ہو کہ اس نے اسلام کے حقیقی عادلانہ معاشی نظام کو ضرور بالصور اپنانا اور کامل طور پر عمل میں لانا ہے اور وہ سمجھیگی اور تندیگی کے ساتھ اس ذہنی اور خارجی ماحول کو وجود میں لانے کی بھروسہ کو شش بھی کر رہا ہو جو اس کے عمل میں آنے کے لئے ضروری ہے، کہ وہ برابر اس پر نظر رکھے اور پورے غور سے جائزہ لیتا رہے کہ اس کی کوششوں کے نتیجہ میں ذہنی اور خارجی حالات کی کس قدر اصلاح وجود میں آئی ہے اور پھر اس کے مطابق اپنے لئے عبوری لا جھ عمل تیار کرے جو عام لوگوں کے لئے قابل قبول اور قابل عمل ہو اور جس پر عمل کرنے سے قدم آگے کی طرف پر ہوتا اور اصل منزل مقصود قریب ہو جاتی ہو۔ ہو سکتا ہے پاکستان جیسے معاشرے کو اصل منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے متعدد عبوری مرحلے کے لئے عبوری لا جھ عمل بناتا اور تیار کرنا پڑے۔

عبوری لا جھ عمل کے متعلق یہ بات ضرور ذہن نشین رہے کہ وہی عبوری لا جھ عمل، صحیح اور درست لا جھ عمل ہو سکتا ہے جو اس وقت کے عبوری حالات سے مطابقت رکھتا اور معاشرے کی اکثریت کے لئے قابل قبول اور قابل عمل ہو تاکہ اس کے نفاذ سے مخالفانہ رو عمل کا ظہور نہ ہو سکے جس کا نتیجہ حاصل شدہ فائدہ کے مقابلہ میں نقصان کمیں زیادہ ہوا کرتا ہے۔ دوسری چیز جو عبوری لا جھ عمل کی صحت و درستی کے لئے ضروری ہے وہ یہ کہ اس پر عمل کرنے سے منزل مقصود کچھ نہ کچھ ضرور قریب ہوتی ہو، چنانچہ جو عبوری لا جھ عمل ایسا نہ ہو وہ غلط و باطل قرار پاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ عبوری لا جھ عمل بنانے کا کام خاصا نازک، پیچیدہ اور مشکل کام ہے جس کو علماء و مفکرین کی ایک الکی جماعت انجام دے سکتی ہے جو اعلیٰ علم و فہم کے ساتھ اجتماعی حالات پر گمراہ اور وسیع نظر رکھتی اور ان اسہاب و عوامل کو علی و جہہ العبرت جانتی ہو جن کے زیراٹ انسانی معاشرے میں تہذیبیاں رونما ہوتی اور تغیر و تحریک، ہناؤ بگاؤ اور عروج و زوال کے مناظر سامنے آتے ہیں۔

پھر چونکہ عبوری لا جھ عمل جو مخصوص تم کے ذہنی و خارجی حالات میں وقتی مصلحت

کی خاطر بنا یا جاتا ہے عدل کامل سے مطابقت نہیں رکھتا اور اس میں قلم و حق تنقی کا کچھ نہ کچھ غیر موجود ہوتا ہے لہذا اس کو حقیقی طور پر اسلامی سمجھتا اور کہتا درست نہیں ہو سکتا۔  
 نہایتیں اس کے متعلق نہایت واضح اور واضح الفاظ میں یہ اعلان ضروری ہوتا ہے کہ یہ لائج عمل حقیقی طور پر اسلامی نہیں بلکہ اس کو اسلام کے اصول کے تحت وققی طور پر بنا یا اور اختیار کیا گیا ہے کہ جب حالات ایسے ہوں کہ خیر کامل کا حصول ناممکن ہو البتہ خیر ناقص حاصل ہو سکتی ہو تو وققی طور پر خیر ناقص کو اختیار کر لیا جائے اور خیر کامل کے لئے کوشش جاری رہے۔ بالفاظ دیگر جب حالات ایسے ہوں کہ دو برائیوں میں سے ایک کا اختیار کرنا ضروری اور ناگزیر ہو تو جو برائی نہیں کم درجہ کی ہو وققی طور پر اس کو اختیار کر لیا جائے۔ عبوری لائج عمل کے متعلق ذکورہ اعلان اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس کو اختیار کرنے والے قلطی سے یہ نہ سمجھ بیشین کہ یہ مستقل اور دائیگی ہے لہذا آگے چل کر جب اس کو چھوڑنے کا مرحلہ آئے تو ان کو اس کے چھوڑنے میں وقت و دشواری محسوس ہو کیونکہ یہ انسان کی فطرت ہے کہ جس چیز کو وہ وققی اور عارضی سمجھ کر اختیار کرتا ہے اس کے ترک کرنے میں اس کو کوئی خاص وقت و دشواری پیش نہیں آتی۔ اسلام کے ساتھ ترک کر دیتا ہے۔ ذکورہ اعلان کے ضروری ہونے کی دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ اس کے بعد کسی مخالف اسلام کو اس عبوری لائج عمل کی بنا پر یہ کہنے اور پر دعیہ کرنے کا موقع نہیں مل سکتا کہ یہ لائج عمل مسلمانوں کے اس بلند پانگ دعوے سے مطابقت نہیں رکھتا جو وہ اسلام کے معماشی نظام کے متعلق عام طور پر کرتے ہیں کہ وہ افادی طور پر باقی سب معماشی نظاموں سے بہتر اور اپنے معروضی نتائج و اثرات کے لحاظ سے زیادہ مفید اور نفع بخش ہے۔

عبوری لائج عمل کے متعلق ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اسلام عبوری لائج عمل بنا نے اور اس پر عمل پیدا ہونے کی اجازت صرف ایسے اسلامی معاشرے کو دیتا ہے جس نے صدق دل سے قلطی طور پر یہ طے کر لیا ہو کہ وہ اپنے ہاں اسلام کے حقیقی عادلانہ معماشی نظام کو ضرور ہوئے کار لائے گا اور پھر اس کے ساتھ وہ پوری سنجیدگی اور تتدی کے ساتھ مطلوبہ ذہنی اور خارجی ماحول پیدا کرنے کی امکانی کوشش بھی کر رہا ہو۔ مطلب یہ کہ یہ اجازت اور رعایت ایسے اسلامی معاشرے کے لئے نہیں جس کا قصد و ارادہ نہ اسلام کے حقیقی مثالی معماشی نظام کو بالآخر اپنے ہاں عمل میں لانا اور نافذ کرنا ہو اور نہ وہ مطلوبہ ذہنی اور

خارجی حالات پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہو جو اس کے عمل میں آنے کے لئے ضروری ہیں کیونکہ عبوری لا جھ عمل تو ہو ہی وہ سکتا ہے جو کسی مستقل اور دائمی لا جھ عمل تک پہنچنے کا ذریعہ بنتا ہو گویا اس کی حیثیت اصل مقصد کی نہیں بلکہ مقصد کے ذریعے اور دیلے کی ہوتی ہے۔

اور چونکہ عبوری معاشی لا جھ عمل کی حیثیت، حقیقی و مستقل معاشی لا جھ عمل کے لئے دیلے و ذریعے کی ہوتی ہے لہذا کسی عبوری معاشی لا جھ عمل کے متعلق یہ معلوم کرنے کے لئے کہ وہ صحیح ہے یا غلط، اصل معیار حقیقی معاشی لا جھ عمل ہوتا ہے چنانچہ جو عبوری معاشی لا جھ عمل، مخصوص عبوری حالات میں قابل عمل ہونے کے ساتھ حقیقی معاشی لا جھ عمل کے زیادہ مماثل و مشابہ ہو وہ صحیح اور جو کم مشابہ و مماثل ہو وہ غلط قرار پاتا ہے۔

در اصل اس وقت ہمارے سامنے دو مقصد ہیں ایک یہ کہ اسلام کے معاشی نظام کی دوسرے غیر اسلامی معاشی نظاموں پر علی و عقلی طریقہ سے فویت و برتری ثابت کی جائے جیسا کہ عام طور پر ہمارا دعویٰ ہے اور دوسرا مقصد یہ کہ آج ہم مسلمانوں کی عام طور پر جو خراب و خستہ معاشی حالت ہے اس کو بتدریج اور مرطہ دار تحریک اور درست کیا جائے۔ پہلا مقصد اسلام کے حقیقی اور مستقل عادلانہ معاشی نظام کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے جس کا تین سب سے پہلے ضروری قرار دیا گیا ہے جبکہ دوسرا مقصد عبوری معاشی لا جھ ہائے عمل کے ذریعے پورا کیا جاسکتا ہے جو میہمت کی گاڑی کو چلائے رکھنے کے لئے نہایت ضروری ہے۔

جمان تک عبوری معاشی لا جھ عمل کے شرعی جواز کا تعلق ہے اس کا ثبوت قرآن و حدیث کی ان نصوص سے بخوبی فراہم ہوتا ہے جن میں ملنی زندگی کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کے اندر بعض ایسے معاشی معاملات کے رواج کا ذکر ہے جو آخر میں تحريم بردا کے اعلان کے ساتھ منوع قرار پائے جیسے مخابره وغیرہ۔

اور پھر ہم عام طور پر یہ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جس کے اندر ہر دور اور ہر زمان و مکان کے انسانوں کے لئے قابل عمل ہدایت و راہنمائی پائی جاتی اور ہر دور کے مسائل کا حل اس میں موجود ہے یہ دعویٰ معاشی اور سیاسی مسائل کی بہبتوں صرف اسی صورت میں صحیح ثابت ہو سکتا ہے جب اس کے اندر عبوری حالات کے لئے عبوری لا جھ عمل کا تصور اور جواز موجود ہو کیونکہ اگر اس کا انکار کر دیا جائے تو مذکورہ مسائل کی حد تک

یہ دعویٰ درست نہیں رہتا کہ اسلام ہر دور اور ہر عصر میں ان سائل کے لئے قابل عمل ہدایت و راجحہ نہیں ہے کیونکہ ان سائل کے متعلق اسلام کا جو حقیقی اور مستقل ضابط ہدایت و راجحہ ہے ہر طرح کے ذہنی اور خارجی دباؤ کے ماحول میں اس پر عمل نہیں ہو سکتا جیسا کہ پہلے اسی مضمون میں قدرے تفصیل کے ساتھ اس کے متعلق لکھا اور عرض کیا جا چکا ہے۔

قارئین کرام! مسئلہ مذکور کے حل کے لئے میں نے جو طریق کار عرض کیا ہے ظاہر ہے کہ اس میں طویل وقت کا لگنا لازمی ہے۔ لیکن اگر مقصود پر امن طریقہ سے معاشرے کی پائدار اصلاح ہے تو وہ مذکورہ طریق کار کے بغیر ممکن نہیں، نیز میرے علم و فہم کے مطابق یہی طریق کار صحیح اسلامی طریق کار ہے۔

